(احسان الاسلام)

(اسلام کی خوبی)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تمہید	۵
۲	مسلک اہلسنت	۶
۳	ہمارے اعمال کی مثال	۷
۴	حضور قلب کی حقیقت	۸
۵	حضور قلب کی مثال	۹
۶	حضور قلب اختیاری ہے	۱۰
۷	حق تعالیٰ کی رعایتیں	۱۱
۸	حکایت	۱۲
۸	نماز میں سہولت	۱۳
۹	بے دینوں کی مثال	۱۵
۱۰	علم دین اور علم دنیا میں فرق	۱۶
۱۱	شرط اور علت میں فرق	۱۷
۱۲	حکایت	۱۸
۱۳	ضرورت علماء	۱۹
۱۴	خدا کو بندے سے تعلق	۲۰
۱۵	روح دنیا	۲۲
۱۶	معرفت ومحبت	۲۲
۱۷	محبوب کی ہر ادا محبوب	۲۳
۱۸	محبت اور معرفت میں فرق	۲۵
۱۹	اثرِ معرفت ومحبت	۲۶

۲۰	عارفین کے نزدیک حقیقت موت	۲۹
۲۱	کمال نظر معرفت	۳۳
۲۲	صحابہ کی حضور ﷺ سے محبت	۳۵
۲۳	حضور ﷺ سے محبت کا ایک انداز	۳۶
۲۴	حالتِ غم میں تسلی کا طریقہ	۳۶
۲۵	حقیقت شناس نظر	۳۷
۱۶	غلط دعویٰ پر رد	۳۷
۲۷	من قال ''لاالٰہ الااللہ دخل الجنۃ'' کا مطلب	۳۸
۲۸	بعض مسلمانوں کی غلط فہمی	۴۰
۲۹	عقیدہ رسالت کی اہمیت	۴۱
۳۰	دنیوی بڑائی کی خرابی	۴۲
۳۱	دین کی بڑائی کی خرابی	۳۴
۳۲	آج کل کے مجتہدین	۴۴
۳۳	دین کا محافظ اللہ ہے	۴۵
۳۴	مجتہدین جدید کا عجیب اجتہاد	۴۶
۳۵	جدید مجتہدین کا علاج	۴۶
۳۶	حقیقت اسلام	۴۷
۳۷	مشورہ کا درجہ	۴۹
۳۸	آزادی کے غلط معنی	۴۹
۳۹	اسلام میں آزادی	۵۰
۴۰	خود بینی وخودرائی	۵۱
۴۱	لطائف آیت	۵۲
۴۲	اجزاء آیت کی تفسیر	۵۴
۴۳	خلاصہ وعظ	۵۶

وعظ

(احسان الاسلام)

(اسلام کی خوبی)

یہ وعظ حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے جامع مسجد کانپور میں ۱۰/محرم الحرام ۱۳۳۴ھ بروز جمعہ کھڑے ہوکر بیان فرمایا جو دو گھنٹے پچاس منٹ تک جاری رہا۔ سامعین کی تعداد ایک ہزار تھی۔ مولوی احمد عبدالحکیم صاحب مرحوم نے قلم بند فرمایا۔

خلیل احمد تھانوی
۲۷/ مارچ ۲۰۱۲ء
جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارك وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿ بَلٰی ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۝ ﴾(۱)

ہاں جو کوئی شخص بھی اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکادے اور وہ مخلص بھی ہو تو ایسے شخص کو اس کا عوض ملتا ہے۔ پروردگار کے پاس پہنچ کر اور ایسے لوگوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ ایسے لوگ مغموم ہونے والے ہیں۔

تمہید

یہ ایک آیت ہے کہ جس کے اول میں رد ہے بعض مدعین کے ایک غلط دعوے کا۔(۲) اور بعد میں دلیل رد کے مقام پر ایک قاعدہ کلیہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس میں حق تعالیٰ نے ایک نہایت ضروری مضمون ذکر فرمایا ہے جو جامع ہے۔ تمام مشرب ومسلک حق کا کہ جس کے بہت سے فروع (شاخیں، شعبے) ہیں اور وہ ایسا

(۱) سورۂ بقرہ:۱۱۲ (۲) جس کی ابتداء میں بعض مدعین کے غلط دعویٰ کی تردید کی گئی۔

ہے جس کے اہمال (۱) سے ہم لوگوں کی تمام حالتیں تباہ و برباد ہورہی ہیں جس کے اسباب مختلف عنوانوں سے بیان کئے جاتے ہیں۔ مگر حقیقت میں اس تباہی وبربادی کا اصلی سبب اس قاعدہ کلیہ کا چھوڑ دینا ہے اس آیت میں اسی کا ذکر ہے ہر چند کہ رد اور قاعدہ کلیہ دونوں میں یہاں زیادہ فائدہ رد ہے مگر وہ قاعدہ کلیہ جو کہ رد کے لئے بھی کافی ہے اور نیز ہماری حالتوں کی اصلاح بھی اس سے وابستہ ہے چونکہ وہ متضمن (۲) دو فائدہ کو ہے اس لئے اس وقت بیان میں وہ ہی زیادہ مقصود ہے اور وہ قاعدہ کلیہ کہ جس پر مدار ہے ہماری فلاح کا اور جس سے غافل رہنے کی وجہ سے ہماری خرابی اور تباہی بڑھتی جاتی ہے اور نہایت ضروری ہے۔ وہ تعبیر میں تو بہت چھوٹی سی بات ہے مگر حقیقت میں بہت بڑی بات ہے اور اس امر ضروری کا نام جس کا تکفل (ذمہ دار) اس قاعدہ نے کیا ہے حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھنا ہے۔

اب ان لفظوں کی حقیقت پر جب تک زیادہ غور نہ کیا جاوے یہ سمجھ میں نہ آوے گا کہ ہم نے اس قاعدہ کو چھوڑ رکھا ہے اس واسطے کہ ہر شخص یہی جانتا ہے کہ ہمارا خدا سے تعلق ہے یہ تو ٹھیک ہے کہ ہمارا خدا سے تعلق ہے مگر یہ امر غور طلب ہے کہ آیا آپ کو خدا سے تعلق ہے پس یہ ہے سمجھ لینے کی بات، سو اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ خدا کو تو ہم سے تعلق ہے اور ہمیں خدا سے تعلق نہیں ہے، اور اس نے باوجود یکہ اس کے ذمہ واجب نہیں لازم نہیں مگر اتنے حقوق ادا کیے ہیں کہ ہم ان کا شمار اور اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ یہ محض تعلق اور رحمت ہے ورنہ ہمارا کیا حق اور کیا لزوم؟

مسلک اہلسنت

اہلسنت نے اس مسئلہ کی حقیقت کو خوب سمجھ لیا ہے کہ ہمارا کوئی حق خدا پر

(۱) چھوڑنے سے (۲) مشتمل۔

واجب نہیں جو کچھ وہ عطا فرمائے محض رحمت اور خالص عنایت ہے۔ معتزلہ(۱) نے اس مسئلہ میں اہل سنت کا خلاف کیا ہے خدا جانے کیا سمجھے کہ ہمارا حق خدا پر واجب ہے۔ وجوب کا کوئی سبب کوئی علت ہونی چاہیے یہ بلاعلت واجب کیسے ہوگیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معتزلہ نے کچھ نہیں سمجھا اگر کوئی سبب یا علت ہوتو وہ بھی انہیں کی ہے(۲) پھر بھی ہم مستحق نہیں ہوسکتے۔ وہ کہتے ہیں عبادت سے خدا پر جنت دینا واجب ہے اور وجوب عقلی کے قائل ہیں مگر انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ یہ سبب جو تراشا گیا ہے قطع نظر اس کے کہ یہ سب بھی انہیں کا عطا کیا ہوا ہے اگر اس میں کچھ ظاہری سبب ہے تو اس کا یہ اثر موقوف ہے اس کے مقبول ہونے پر سو مقبول ہونا تو درکنار غنیمت ہے کہ ان اعمال پر مواخذہ نہ ہو(۳)۔

ہمارے اعمال کی مثال

لطیف المزاج شخص اندازہ کرلے کہ بدسلیقہ خدمت گار ہے۔ پنکھا جھلتے وقت کبھی ماردیتا ہے کبھی کسی کاغذ کو پریشان کردیتا ہے(۴) غرض ایک اودھم مچارہا ہے(۵) اور آقا حلم وکرم سے معاف کردیتا ہے تو کیا اس خدمت گار کا اپنی اس بیہودہ کارگذاری کو قابل انعام سمجھنا صحیح ہوگا؟۔

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے حاصل خواجہ بجز پندار نیست

''خواجہ سمجھتا ہے کہ اس کو کچھ حاصل ہے اس کو بجز پندار کے کچھ حاصل نہیں''

وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نے بڑی خدمت کی، ارے کمبخت کیا خدمت کی؟ یہ آقا کا احسان ہے کہ وہ کرم کرتا ہے اور بڑی عنایت ہے کہ جرمانہ نہیں کرتا، اسی

(۱) ایک فرقہ باطلہ (۲) وہ بھی اللہ کی عطا کردہ ہے (۳) پکڑ (۴) کبھی کوئی کاغذ اڑادیتا ہے (۵) بدتمیزی کا مظاہرہ کررہا ہے۔

طرح ہماری عبادت ہے کہ ہم اس کا پورا پورا حق کیا ادا کرتے کہ محال ہے مگر جتنا سنوار کر ہم کر سکتے ہیں وہ بھی تو نہیں کرتے۔

حضور قلب کی حقیقت

کیوں صاحبو! کیا اپنی نماز کی حالت آپ درست نہیں کر سکتے کیا آپ قادر نہیں خشوع وحضور قلب پر؟ اگر کوئی کہے کہ ہم تو قادر نہیں تو ہم کہیں گے تم حضور قلب کی حقیقت ہی نہیں جانتے۔ حضور قلب کی حقیقت یہ ہے کہ نماز پڑھتے وقت برابر یہ خیال رہے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں کیا صاحبو! یہ آپ سے نہیں ہوسکتا باقی خیالات اور وساوس کا بند کرنا حضور قلب نہیں ہے بلکہ یہ سمجھنا ہی غلطی ہے کیونکہ یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ خیالات کو روکنا اختیار سے باہر ہے اگر حضور قلب کی یہ حقیقت ہوتی اس سے ایک عقیدہ کی خرابی ہوگی کہ یہ تو ہمارے اختیار سے باہر ہے اور پھر ہم اس کے مکلّف تو گویا ہم کو ایسی چیز کی تکلیف دی گئی کہ ہماری قدرت سے باہر ہے اور یہ سراسر خلاف ہے۔ ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا﴾ ''اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے'' کہ کسی ایسی بات کا خدا نے حکم نہیں کیا جو قدرت سے خارج ہو، سو اگر حضور قلب کے ایسے معنی ہیں جو قدرت سے خارج ہیں تو اس کا مامور بہ ہونا (۱) اس آیت کے معارض ہوگا پس حضور قلب کی حقیقت اتنی ہے کہ اس قدر متوجہ رہو کہ میں کیا کر رہا ہوں، پھر اگر اس خیال کے ساتھ اور خیال بھی آویں تو آنے دو آپ کا کام یہ ہے کہ کشتی کی سیدھ باندھ لیجئے باقی موجوں کا روکنا کشتی بان (۲) کا کام نہیں بلکہ اگر وہ اس کی کوشش بھی کرے تو کشتی کا ساحل پر پہنچنا تو درکنار سلامتی بھی دشوار ہے۔ اس طرح خیالات ووساوس امواج ہیں یہ قیامت تک بند نہیں ہوسکتے۔ آتے ہیں آنے دیجئے امواج (۳) کشتی

(۱) اس کا حکم دیا جانا اس آیت کے خلاف ہوگا (۲) ملاح (۳) لہریں۔

کی رفتار کو روکتی ہیں مگر کھڑا نہیں کرسکتیں۔اسی طرح خیالات ووساوس آتے ہیں آنے دیجئے یہ حضورقلب کے منافی نہیں (۱)۔بس آپ کا کام اتنا ہی ہے کہ آپ برابر یہ خیال رکھئے کہ نماز پڑھ رہا ہوں۔اب (سبحان ربی العظیم) ''میرا پروردگار ہرعیب سے پاک بلندعظمت والا ہے'' کہہ رہا ہوں۔اب (سبحان ربی الاعلیٰ) ''میرا پروردگار ہرعیب سے پاک بلندمرتبہ والا ہے'' کہہ رہا ہوں غرض جو فعل کیجئے اپنے قصد اور اپنے ارادہ سے کیجئے اس طرح نہیں ہ گھڑی میں ایک دفعہ کوک دے دی (۲) اب وہ برابر چل رہی ہے، ہماری کوک تکبیر تحریمہ ہے (۳) ادھر تکبر تحریمہ کہی اور بس بےفکر ہوگئے اب تمام حساب وکتاب اور تمام معاملات نماز ہی میں طے ہورہے ہیں ان حرکات کی عادت اور مشق ہوگئی ہے اس لئے جب رکوع کا وقت آتا ہے خود بخود رکوع ہوجاتا ہے۔ جب سجدہ کا وقت آتا ہے تو خود بخود سجدہ ہوجاتا ہے اس میں ہمارے قصد (۴) کو دخل ہی نہیں ہوتا۔

حضورِ قلب کی مثال

حضورقلب کی ایک نہایت آسان مثال ہے وہ یہ ہے کہ کسی حافظ صاحب کو کوئی سورت کچی ہو اور تراویح میں سنانا ہو تو وہ کیا کریں گے کہ دن بھر دیکھنے کے بعد رات کو جس وقت وہ سورت آئے گی برابر سوچتا رہے گا کہ ان ان مقام پر قال فرعون آیا ہے اور ان ان مقام پر (قال موسیٰ) آیا ہے غرض برابر دھیان اپنے پڑھنے کی طرف رہے گا اور خیالات بھی آتے رہیں گے یہاں تک کہ اول سے آخر تک وہ سورت سنادے گا۔ تو جیسی توجہ حافظ صاحب کو اس کچی سورت سنانے کے وقت ہوتی ہے پس یہی حضورقلب ہے۔ اگر حضورقلب قدرت سے

(۱) حضورقلب کے خلاف نہیں (۲) چابی دے دی (۳) ہماری چابی تکبیر تحریمہ (۴) ارادے۔

خارج ہے تو حافظ صاحب کو کیونکر ہوا؟ اس سے معلوم ہوا کہ قدرت سے خارج نہیں۔ اور یہ سخت غلطی ہے کہ قدرت سے خارج سمجھ لیا ہے اور عوام کیا بہت سے اہل علم بھی ایسا ہی سمجھ رہے ہیں۔ ان حضرات کی غلطی کی ساری وجہ یہ ہے کہ ہمارے درس میں کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں یہ حقائق مذکور ہوں۔ بس حکایتیں دیکھ لیں سن لیں کہ نماز میں تیر لگا اور خبر نہ ہوئی اور اسی کو حضور قلب سمجھ گئے حالانکہ یہ ایک طرح کی حالت ہے وہبی (۱) اور حضور قلب وہی ہے جو میں نے بیان کیا۔

حضور قلب اختیاری ہے

اس تقریر سے حضور قلب کی حقیقت اچھی طرح سمجھ میں آ گئی ہوگی۔ خصوصاً اس مثال سے تو کوئی شبہ باقی نہ رہا ہوگا جو بات دفتر سے (۲) حل نہ ہوتی وہ اس مثال سے واضح ہوگئی۔ جب حقیقت اس کی یہ ہے تو اختیاری ہے چنانچہ قرآن میں جہاں بھولنے کا شبہ ہو ہر شخص سوچ سوچ کر پڑھتا ہے چنانچہ حافظ جی رات کو غوطہ کھا کھا کے سورۃ ختم کرتے ہیں تو ان کو حضور قلب کیسے حاصل ہوتا ہے، معلوم ہوتا ہے اختیار میں ہے جب تو حاصل ہوجاتا ہے اب بتائیے کہ آپ نماز میں کتنا حضور قلب کرتے ہیں پورا تو کیا جتنا کرسکتے ہیں اتنا بھی نہیں کرتے اور اگر پورا پورا کر بھی لیا تو بھی خدا پر کوئی حق ہمارا نہیں ہوا۔ اس واسطے کہ یہ کیفیت جو میسر ہوئی کدھر سے میسر ہوئی یہ بھی تو انہیں کا عطیہ ہے۔

نیا وردم از خانہ چیزے نخست تو دادی ہمہ چیز ومن چیز تست

''میں اپنے گھر سے کوئی چیز نہیں لایا یہ سب آپ کا عطیہ ہے میری کیا حقیقت ہے میں بھی تو آپ کا ہوں''

تو جب نماز بھی خدا کی پھر اس سے ہمارا حق جنت میں کدھر سے ہوگیا۔

(۱) اللہ کی عطاء کردہ (۲) طویل تحریر۔

اس کی تو ایسی مثال ہے کہ کسی نے کسی کو ایک برتن دے دیا اب وہ شخص یہ سمجھے کہ برتن دینے والا قرض دار ہوگیا کیونکہ اس نے برتن دیا ہے تو کھانا بھی اس کے ذمہ قرض ہوگیا اور اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی کہے کہ کُرتے کا بھی میں ہی مستحق ہوں کہ آپ کا دیا ہوا پاجامہ پہنے ہوں۔ بہرحال یہ سب انہیں کا ہے پھر ہمارا کیا استحقاق جو نماز ہم پڑھتے ہیں وہ بھی خدا ہی نے ہمیں دی ہے تو بس کیا اس سے خدا ہمارا قرض دار ہوگیا۔ خدا تعالیٰ نے اہل سنت کو اس غلطی سے محفوظ رکھا ہے اس واسطے کہ جن اسباب میں استحقاق کی صلاحیت ہے وہ سب بھی تو انہیں کے ہیں کوئی شخص اپنے غلام کو سرمایہ دیتا ہے کہ یہ لے کر تجارت کرو اس میں جو نفع ہو آدھا ہمارا آدھا تمہارا اور سرمایا سب ہمارا۔ یہ محض لیاقت وسلیقہ سکھلانے کے لئے ایسا کرتا ہے کہ کسی طرح غلام کو اس لالچ میں تجارت آجاوے ورنہ سارا نفع وسرمایہ آقا ہی کا ہے۔ اسی طرح ہم نے جو نماز روزہ کیا اس کی توفیق ہمیں انہیں نے دی، نفع بھی ان کا سرمایہ بھی ان کا مگر ہمارے خوش کرنے کو کہہ دیا کہ تمہارا ہے۔

حق تعالیٰ کی رعایتیں

بہرحال خدا پر کسی کا حق نہیں مگر اس پر بھی کیا رعایتیں کی ہیں کہ آپ اہل حقوق کو بھی اتنی رعایت نہیں کرسکتے غرض ان کے ذمہ تو کوئی حق نہ تھا اور وہ دے رہے ہیں۔ اور آپ پر ان کے بے شمار حقوق ہیں اور پھر بھی آپ ان کی عظمت کے موافق تو کیا اتنا بھی نہیں کرتے جتنا اپنے مجازی آقا کا کرتے ہیں۔ خدا کی طرف سے جو تنخواہ ہم کو ملتی ہے وہ اس قدر ہے کہ اندازہ نہیں ہوسکتا اور وہ تنخواہ کیا ہے ایک مثال سے سمجھئے۔ ایک شخص کی آنکھ نہیں ڈاکٹر کہتا ہے کہ کسی کی آنکھ نکال کر لگادی جائے گی کسی غریب فاقہ زدہ سے کہا کہ پانچ سو روپیہ لے لو ایک آنکھ بیچ ڈالو وہ کہتا

ہے آنکھ بھلا اتنی کم قیمت میں بیچ ڈالوں بھلا کم از کم ایک لاکھ تو ایک کی قیمت ہوا گر ضرورت ہے تو ایک لاکھ میں اس کی آنکھ لی جائے گی اسی طرح تمام اعضائے بدن کی قیمت جوڑ لو تو کروڑوں روپیہ ہر وقت ہمارے پاس ہے تو یہ دولت تو ظاہری ہمارے پاس ہے۔ (۱) اور اگر دولت باطنی کو دیکھا جائے تو اس کی قیمت کی تو انتہا ہی نہیں۔

حکایت

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ کسی نئے شہر میں گذر ہوا دن میں دیکھا کہ شہر پناہ کا پھاٹک بند ہے لوگوں سے دریافت کیا کیوں بند ہے معلوم ہوا کہ بادشاہ کا شکاری باز اڑ گیا ہے تو بادشاہ نے شہر پناہ کے پھاٹک بند کرا دیئے ہیں تا کہ وہ باز شہر سے باہر نہ نکل جاوے۔ انہوں نے اپنے دل میں کہا کہ بھلا وہ پھاٹک سے کیوں جانے لگا اوپر سے اڑ کر جا سکتا ہے بادشاہ بڑا ہی احمق ہے۔ حق تعالیٰ سے ناز میں عرض کیا کہ ایسے احمق کو تو نے سلطنت دے دی اور ہم ایسے عاقل جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں یہ مقام ادلال و ناز کا ہوتا ہے اہل حال کو زیبا ہے اگر کوئی دوسرا حرص کرنے لگے تو دیکھو کبھی جوتیاں نہ لگ جائیں۔

جواب میں ارشاد ہوا کہ تمہاری عقل و تمیز اور فقر اس کو اور اس کی حماقت و سلطنت تم کو دے دوں تم راضی ہو پھر تو معذرت کرنے لگے کہ میں قیامت تک بھی اس کو گوارا نہ کروں گا۔

---

(۱) صرف سانس لینے کے لئے جس آکسیجن کی ہمیں ضرورت پیش آتی اگر اس کی قیمت کا حساب لگائیں تو معلوم ہوگا کہ ایک دن رات میں ایک آدمی تین سلینڈر آکسیجن استعمال کرتا ہے جن کی قیمت 3780 روپے ہوتی ہے اس طرح ایک سال میں تیرہ لاکھ اناسی ہزار سات سو روپے کی آکسیجن استعمال کرتا ہے اگر کسی کی عمر ۵۰ سال ہو تو وہ چھ کروڑ نواسی لاکھ پچاس ہزار روپے کی صرف آکسیجن ہی استعمال کرتا ہے۔ اسی لئے انسان پر ہر سانس لینے میں دو شکر واجب ہیں ایک سانس کے اندر جانے پر ایک سانس کے باہر آنے پر ۱۲ خلیل احمد۔

قیمت خود ہر دو عالم گفتۂ نرخ بالاکن کہ ارزانی ہنوز

”تونے اپنی قیمت دونوں جہان بیان کی ہے نرخ بڑھا کہ ابھی تک ارزانی ہے“۔

یہ انسان کی قیمت ہے پھر کہتا ہے میں مفلس ہوں۔ افسوس تم نے اپنی قدر و قیمت خود نہیں سمجھی ادھر سے تو اس قدر عطا ہے کہ جس کا حد وحساب نہیں ان تنخواہوں کے بعد اگر اوسط لگایئے تو ادنیٰ درجہ ایک لاکھ ماہوار تو ضرور ہوتا ہے تو جب حق تعالیٰ ایک لاکھ ماہوار دیتے ہیں اور دوسرا پچاس روپے ماہوار دیتا ہے تو جو نسبت تنخواہوں میں ہے وہی نسبت حقوق کے ادا کرنے میں ہونا چاہیے اب آپ ہی دیکھ لیجئے کہ آپ آقا کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ کے حقوق کتنے ادا کرتے ہیں آقا کے برابر تو کیا اس سے دسواں بیسواں حصہ بھی تو ادا نہیں کرتے۔

نماز میں سہولت

اور حقوق جانے دیجئے ذرا سا فرض یہ نماز ہے ایک منٹ میں ایک رکعت بخوبی ہوجاتی ہے شب و روز کے فرض وواجب کی بیس رکعتیں ہوتی ہیں اور سنن کی بارہ رکعتیں ہیں سب ملاکر بتیس ہوتی ہیں جن میں بتیس منٹ صرف ہوتے ہیں وضو کرنے میں جو وقت صرف ہوتا ہے وہ قابل شمار نہیں حضرت منہ ہاتھ دھونا اس میں اللہ میاں پر کیا احسان؟ وہ تو بے نمازی بھی دھوتے ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ ہم یوں منہ ہاتھ نہ دھوتے محض وضوء کی وجہ سے دھو لیتے ہیں تو ایسے منحوس سے ہمارا خطاب نہیں ہم نے ایسے بھی دیکھے کہ ہفتوں منہ ہاتھ نہیں دھوتے کسی روز حاکم آگیا تو منہ ہاتھ دھولیا تو ایسے منحوسوں سے خطاب کون

کرے بہرحال وضوء میں تو اپنی بشاشت ہے صفائی اور تبرید اعضاء (۱) کے خیال سے یوں بھی منہ ہاتھ پاؤں دھوتے ہیں تو وضوء میں تو کوئی کلفت (۲) ہی نہیں جو اس کو شمار کیا جاوے ہاں اگر مصیبت ہے تو نماز میں خود حق تعالیٰ بھی فرماتے ہیں: ﴿ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾ (۳)

یعنی نماز گراں ہے کہ ہنسو نہیں بولو نہیں یہ نہیں کہ کدھر چاہو منہ کر کے کھڑے ہو گئے ایک ہی طرف منہ کئے کھڑے رہو ان کی وجہ سے کلفت ہے تو بہرحال شب و روز میں بتیس منٹ یعنی چوبیس گھنٹے میں تقریباً آدھ گھنٹہ کیا بہت ہے اور اگر کوئی بڑا ہی خاشع خاضع ہوا تو خیر بہت سے بہت ایک گھنٹہ صرف ہوگا۔ ہاں اگر امامت کریں گے تو بے شک بغیر سورۂ بقر کے نماز ہی نہ ہوگی ورنہ اپنی نماز تو ﴿اِنَّا اَعْطَيْنَا ﴾ اور ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ ﴾ ہی سے ہمیشہ ہوا کرتی ہے اگر کہیں یہ حکم ہوتا کہ بغیر سورۂ بقر کے نماز ہی نہیں ہوگی شاید یہ لوگ تو نماز ہی نہ پڑھتے مگر ایسا حکم تو ہوا نہیں بلکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا تو یہاں تک مذہب ہے کہ ایک آیت سے فرض اور ایک آیت طویل یا تین آیت قصیر اور سورۂ فاتحہ سے واجب ادا ہو جاتا ہے، مثلاً سورۂ فاتحہ کے بعد ﴿مُدْهَامَّتَانِ ﴾ (وہ دونوں باغ گہرے سبز ہوں گے) پڑھ لیا فرض نماز ہوگئی ممکن ہے کہ کوئی صاحب ہمت ایسا ہی کرنے لگیں ، کہ ﴿مُدْهَامَّتَانِ﴾ پڑھ لیا نماز تو ہو ہی جاوے گی ایک منٹ میں آٹھ رکعتیں پڑھ

---

(۱) ہاتھوں پیروں کو ٹھنڈک پہنچانے کے لئے بھی دھوتے ہیں (۲) پریشانی (۳) ''اور بے شک نماز دشوار ضرور ہے مگر جن کے قلوب میں خشوع ہے ان پر کچھ دشوار نہیں خاشعین وہ لوگ ہیں، جو خیال رکھتے ہیں اس کا کہ بیشک ملنے والے ہیں اپنے رب سے اور بے شک وہ اپنے رب کی طرف جانے والے ہیں'' سورۃ بقرہ: ۴۵۔

ڈالیں تو حضرت فرض تو ادا ہوجاوے گا لیکن واجب تو رہ جاوے گا اسی طرح تعدیل بھی واجب ہے اور آئمہ تو فرض کہتے ہیں یہ امام صاحب ہی کا مذہب ہے اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس قدر سہولت اپنے لئے نہیں کی یہ ساری سہولت ہمارے آپ کے لئے کی تھی وہ خود تو اس قدر نماز پڑھتے تھے کہ مدتوں عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھی ہے تو یہ سہولت ہمارے واسطے ہے تاکہ کوئی بے نمازی نمازی بننا چاہے تو اسے تنگی نہ ہو تو یہی ہماری نماز جو آدھ گھنٹہ میں سب فرض سنتیں ہوجاتی ہیں اور جو ہم میں خاشع خاضع ہیں ان کو ایک گھنٹہ کافی ہے خیال تو کیجئے اتنی بڑی تنخواہ اور کارگذاری کتنی مختصر کہ چوبیس گھنٹہ میں آدھ گھنٹہ اور ساڑھے تیئس گھنٹہ میں عام اجازت ہے بجز گناہ کے جو چاہے کیجئے اور اس پر بھی بعضے وہ ہیں جو کچھ نہیں کرتے اور بعضے ان سے بڑھ کر ہیں کہ خود بھی نہیں کرتے اور اوروں کو بھی نہیں کرنے دیتے۔

بے دینوں کی مثال

اس پر ایک حکایت یاد آ گئی بلوہ(۱) کے زمانہ کا قصہ ہے کہ جہاں لاشیں پڑی تھی ایک شخص زخمی تھا زخم اتنا کاری تھا(۲) کہ اٹھ کر جا نہیں سکتا تھا۔ اتفاقاً کسی ضرورت سے ایک بنئے کا ادھر گذر ہوا اس شخص نے آہٹ پا کر ضعیف آواز سے پکارا بنیا اس آواز سے ڈرا کہ مردہ کہاں بولنے لگا اس نے کہا ڈرو نہیں میں زخمی ہوگیا ہوں چل نہیں سکتا ہوں تم ذرا ادھر آؤ بنئے نے کہا ہم نہیں آتے اس نے پھر کہا بھائی ذرا ادھر تو آؤ میری کمر میں ایک ہمیانی بندھی ہوئی ہے ایک ہزار روپیہ ہے میں مرجاؤں گا یہ ضائع ہوجاوے گا تم اسے کھول کر لے جاؤ تمہارے ہی کام آوے گا اب تو لالہ کے منہ میں پانی بھر آیا اس کی طرف بڑھے ڈرتے ڈرتے جب قریب پہنچے تو

(۱) ہندو مسلم فساد کے زمانے کی بات ہے (۲) زخم اتنا گہرا تھا۔

اس نے ٹانگ پر ایک تلوار رسید کی اور کہا کہ میاں روپیہ کہاں یہاں رات بھر اکیلے جی گھبراتا ہے۔ میں نے خیال کیا کہ کسی آدمی کو پاس رکھنا چاہیے ویسے تو کون رہتا، اس ترکیب سے تم کو پاس رکھوں گا بنیا گر پڑا اور بڑا ناخوش ہوا اور غصہ میں کہنے لگا کہ سسرا نہ آپ چلے نہ اوروں کو چلنے دے تو آج کل بھی یہی حالت ہے کہ دین پر نہ آپ چلیں نہ اوروں کو چلنے دیں۔

اگر کوئی بندہ خدا تمام مصلحت پر خاک ڈال کر اس شعر کے مضمون کا حامل ہو بھی گیا۔

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار بگذارند وہمہ طرۂ یارے گیرند

''یعنی بڑی مصلحت یہی ہے کہ سب کو چھوڑ کر بس ایک ہی کو سب دوست بنالیں''

اور جو خدا کی راہ پر لگ گیا تو وہ ان کے زعم میں پاگل ہو گیا وہ ان کے نزدیک معاش سے محروم ہو گیا حالانکہ دیندار لوگ باوجود کم ہنری کے بھی کھانے پہننے میں ان ہنرمند دنیاداروں سے اچھے رہتے ہیں۔

علم دین اور علم دنیا میں فرق

ہمارے یہاں ایک بزرگ تھے انہوں نے ایک عجیب لطیفہ کہا تھا کہ علم دنیا تو جب تک خاص مقدار پر نہ ہو کام نہیں آتا مثلاً بی اے۔ ایف اے ہو تو نوکری ملے یا اس سے گھٹیا ہو تو انٹرنس ہو اور مڈل کا بالکل ذلیل درجہ ہے پھر اس مقدار تک پہنچنا موہوم خصوصا آج کل کہ عمریں تھوڑی ہوتی ہیں پھر یہ بھی احتمال ہے خدا جانے برابر پاس ہوتے رہیں گے یا فیل ہوں گے مگر یہ اپنے فعل سے باز نہیں آتے خواہ نیک فعل ہو یا بد فعل سب اسی میں مبتلا ہیں اور نوکری کو بزبان حال کہہ رہے ہیں۔

تا تو بمن می رسی من بخدا می رسم

''جب تک تو میرے پاس پہنچے گا میں خدا کے پاس پہنچ جاؤں گا''

یہ تو علم معاش کی حالت ہے اور علم دین وہ چیز ہے کہ اس کی کوئی مقدار بھی بیکار نہیں آخرت میں بھی اور دنیا میں بھی چنانچہ اس کے حاصل کرنے والے کے لئے کھانا کپڑا سب ہی کچھ مہیا ہوجاتا ہے علم دین اگرچہ معاش کے لئے ہے ہی نہیں لیکن اگر کسی کو اس سے معاش ہی حاصل کرنا ہو تو اس میں جو بالکل ادنیٰ درجہ کی مقدار ہے کہ اذان یاد کرلے جو کہ پانچ منٹ میں یاد ہوتی ہے تو اس میں بھی تو روٹیوں کی کمی نہیں گو کانپور میں نہیں ملیں گی مگر کسی گاؤں میں چلا جاوے وہاں کسی مسجد میں اذان کہنا اور جھاڑو دینا شروع کردے دو چار دن میں روٹیاں ضرور ہی مقرر ہوجاویں گی اور علم معاش میں اول تو ادنیٰ درجہ کے لئے بھی کئی برس چاہئیں اور پھر بھی نوکری کا ملنا موہوم ہے۔

علاوہ اس کے ایک تفاوت اور ہے وہ یہ کہ ظاہر ہے کہ ہر مسلمان مخاطب ہے ایمان بالتقدیر کا تو اب میں پوچھتا ہوں کہ آیا تقدیر کے مسئلہ پر ایمان ہے یا نہیں اگر نہیں ہے تو تجدید اسلام کی ضرورت ہے (۱) کہ ایسا شخص خارج از اسلام ہے اور اگر ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ بی اے۔ ایم اے پاس کرنے پر بھی قسمت سے زیادہ نہیں ملے گا پھر کس خرافات میں مبتلا ہوئے ہو۔

شرط اور علت میں فرق

اور اگر یہ کہا جائے کہ بے شک تقدیر پر ایمان ہے مگر تقدیر کے ساتھ تدبیر بھی تو شرط ہے تو ہم کہیں گے کہ ہاں شرط ہونا مسلم مگر علت تو نہیں ہے (۲)۔

(۱) دوبارہ اسلام لانے کی ضرورت ہے (۲) شرط بیشک ہے لیکن علت تو نہیں۔

باقی شرط اور علت میں کیا فرق ہے؟ سو فرق یہ ہے کہ علت پر تو معلول کا مرتب ہونا واجب ہے(۱) اور شرط پر مشروط کا مرتب ہونا واجب نہیں۔(۲) ہاں مشروط کے لئے شرط کا ہونا واجب ہے(۳) تو اگر تدبیر علت ہوتی تو ہم ہر تدبیر کرنے والے کو ضرور کامیاب پاتے ہم ایک شخص کو دیکھتے ہیں اپنی معمولی لیاقت سے بہت کچھ کمارہا ہے اور ایک دوسرا شخص ہے کہ اس کی دونی لیاقت ہے مگر کماتا اس سے آدھا بھی نہیں اس سے صاف معلوم ہوا کہ علت نہیں ورنہ معلول کا اس سے انفکاک نہ ہوتا۔(۴)

اب میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ شرط بھی نہیں اگر شرط ہے تو مطلق تدبیر ہے نہ کہ خاص بی اے اور ایم اے بننا بس اتنا ضروری ہے کہ کوئی بہانہ ہو البتہ اس کا ہم انکار نہیں کرتے کہ کسی بہانہ میں کم ملے گا کسی میں زیادہ، لیکن یہ کمی بیشی ذرائع میں ہے، باقی مقصود، ممکن ہے کہ کم ذرائع والا مقصود میں زیادہ کامیاب ہو اور زیادہ ذرائع والا مقصود میں کم رہے۔

حکایت

ایک نواب صاحب کی حکایت ہے کہ صرف دو تولہ گوشت کا قلیہ(۵) بجائے غذا کے کپڑے میں پوٹلی بنا کر چوسا کرتے تھے انہوں نے ایک بار ایک لکڑہارے کو دیکھا کہ دوپہر کے وقت سایہ میں پہنچ کر بوجھ پھینکا ایک روٹ کپڑے میں سے کھولا اور ایک گھٹی پیاز کے ساتھ کھا پی کر وہیں لیٹ کر خراٹے لینے لگا نواب

(۱) جب علت پائی جائے تو اس پر جو حکم مرتب ہوتا ہے اس کا پایا جانا ضروری ہے (۲) اور جو چیز کسی کے لئے شرط ہو تو اس شرط کے پائے جانے کی صورت میں مشروط کا پایا جانا ضروری نہیں (۳) ہاں جب مشروط پایا جائے تو اس کے لئے شرط کا ہونا صروری ہے۔ (۴) معلول اس سے جدا نہ ہوتا (۵) سادہ گوشت گھی میں بھون کر شوربے دار پکا ہوا۔

صاحب کہتے تھے کہ میں راضی ہوں کہ میری نوابی اسے اور اس کی صحت مجھے دے دی جائے۔

تو دیکھئے کثیر الذرائع شخص ان ذرائع کو مقصود سے بدلنے پر رضا مند ہو رہا ہے اور اگر یہ باتیں سمجھ میں نہیں آتیں تو خیر خود ہی مبتلا رہو مگر دوسروں کی کیوں راہ مارتے ہو یہی غنیمت سمجھو کہ ہم تمہیں عربی پڑھنے کو نہیں کہتے آپ کو عربی خوانوں کی ہمدردی کا بڑا جوش ہے کہ یہ بھی انگریزی پڑھیں اور تعجب ہے کہ کیوں انگریزی نہیں پڑھتے اور اس کا سبب کم ہمتی قرار دیتے ہیں میں کہتا ہوں آج کل عربی پڑھنا بڑی عالی ہمتی کی بات ہے کیوں کہ عربی کی آج کل سخت ناقدری ہے اور بظاہر کوئی دنیوی غرض بھی اس سے پوری نہیں ہوسکتی پھر بھی جو لوگ یہ کام کرتے ہیں وہ اعلیٰ درجہ کے عالی ہمت اور ولی ہیں کہ رضا اور قرب حق کے لئے وہ اپنی دنیا چھوڑے ہوئے اور ہر قسم کے طعن و تشنیع سننے کے لئے آمدہ ہیں تو ان کی قدر کرنا چاہیے نہ کہ تحقیر۔

ضرورت علماء

علاوہ اس کے میں ان حضرات مصلحین سے حیثیت اسلام سے پوچھتا ہوں کہ آیا علماء کا قوم کے لئے ہونا ضروری ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے تو اس کا قائل ہونا پڑے گا پھر اسلام کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ بدوں علماء کے اسلام قائم نہیں رہ سکتا کیونکہ کوئی پیشہ بدوں اس کے ماہرین کے چل نہیں سکتا یہ اور بات ہے کہ تھوڑی بہت معلومات دینی سب کو ہو جائیں اور اس سے محدود وقت تک کچھ ضرورت رفع کرلیا کریں مگر اس سے اس مقدار ضرورت کا بھی بقا نہیں ہوسکتا بقا کسی شئے کا ہمیشہ اس کے ماہرین سے ہوتا ہے تو ماہرین علماء کی ضرورت ٹھہری۔

پھر یہ ماہرین کیسے پیدا ہوں؟ سو تجربہ سے اس کی صرف یہی صورت ہے کہ ساری قوم پر واجب ہے کہ چندہ سے کچھ سرمایہ جمع کر کے علماء کی خدمت کر کے آئندہ نسل کو علوم دینیہ پڑھائیں اور برابر یہی سلسلہ جاری رکھیں سو عقلاً تو یہ بات واجب تھی کہ ساری قوم اس کی کفیل ہوتی مگر ایک طالب علم بیچارہ نے اپنا دَین (۱) آپ پر سے معاف کیا اور اپنے ہی اوپر مصیبت جھیل کے تحصیل علوم دینیہ میں مشغول ہوا تو چاہیے تو یہ تھا کہ آپ اس کی قدر کرتے بجائے اس کے اور رہزنی کرتے ہیں (۲) کہ عربی پڑھو گے تو کھاؤ گے کیا؟ کیا مسجد کے مینڈھے بنو گے ہاں صاحب دنیا کا کتا بننے سے اچھا ہے۔

ریاست رامپور میں ایک نے دوسرے کے بچہ کو انگریزی پڑھانے کی رائے دی اس نے کہا کہ قرآن شریف ختم ہو جاوے تو پڑھاؤں گا اور معلوم ہوا کہ دو سال میں نصف ہو چکا ہے نصف باقی ہے تو وہ صاحب کیا فرماتے ہیں کہ دو سال تو ضائع گئے اور دو سال کیوں ضائع کرتے ہو؟ یہ حالت رہ گئی ہے مسلمانوں کی یہ کیا اسلام ہے اِنّا للّٰہ چاہیے تو یہ تھا کہ اگر کوئی تحصیل علوم دینیہ کی طرف توجہ نہ کرتا تو تمام قوم کا فرض تھا کہ خوشامد کر کے کچھ لوگ اس کے لئے تیار کرتے افسوس اب تو کیفیت یہ ہے کہ خود تو کیا تیار کرتے دوسروں کو تیار ہونے سے روکتے ہیں یہ سب علامات اس کی ہیں کہ آپ کو خدا سے تعلق نہیں رہا۔

خدا کو بندہ سے تعلق

ہاں خدا کو البتہ تم سے تعلق ہے اپنے دلوں کو ٹٹول لو تمہیں خود معلوم ہو جاوے گا کہ خدا سے تعلق نہیں رہا۔ خدا کو آپ سے تعلق ہونے کی دلیل ایک تو

(۱) اپنا قرض (۲) اس کی راہ مارتے ہیں۔

ان کے انعامات ہی ہیں۔

دوسرے ایک جگہ ارشاد بھی ہے: ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ ''میں اس کی طرف شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں'' اور خدا کا قرب یہی قَرب علمی وقرب رحمت ہے اور (اَنْتُمْ اَقْرَبُ اِلَيْنَا) (۱) نہیں فرمایا۔ اگر کوئی کہے کہ قرب و بعد تو امور نسبہ متکررہ مشترکہ میں سے ہیں یہ کیوں کر ہوسکتا ہے کہ انہیں ہم سے قرب ہو اور ہمیں ان سے بعد ہو۔ (۲) تو جواب یہ ہے کہ قرب حسی بالمعنی اللغوی (۳) بے شک ایسا ہی ہے اور یہاں تو قرب بمعنی توجہ کے ہے سو خدا کا قرب الی العبد من حیث التوجه قرب عبد الی الله من حیث التوجه (۴)

خدا کا قرب بندہ کی طرف باعتبار توجہ کے بندہ کا قرب اللہ تعالیٰ کی طرف باعتبار توجہ کے ہونے کو مستلزم نہیں بس وہ اشکال مرتفع ہوگیا خلاصہ یہ ہوا کہ وہ تو ہم سے قریب ہیں یعنی متوجہ ہیں اور ہم ان سے بعید ہیں یعنی ہمیں ان کی طرف توجہ نہیں۔ بالکل قلب موضوع ہے (۵) جو ان کو حق پہنچتا تھا ہم نے کر رکھا ہے جو ہمیں زیبا بلکہ ضروری اور فرض تھا وہ انہوں نے کر رکھا ہے اور اگر ہم میں سے کسی کو توجہ بھی ہے تب بھی اگر بے تعلقی نہیں تو کم تعلقی تو ضرور ہے پس مسلمانوں کی ساری خرابیوں کا حاصل یہ ہے اگر یہ دور ہوجاوے تو ہماری تمام حالتیں درست ہوجاویں اس واسطے کہ خدا تعالیٰ کی عادت مسلمانوں کے لئے یہ جاری ہے کہ ان کی دنیا ان کے دین کے ساتھ وابستہ ہے۔

---

(۱) ''تم ہماری طرف زیادہ قریب ہو'' (۲) یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ کو تو ہم سے قرب ہو اور ہم کو دوری ہو کیونکہ جب ایک چیز دوسری سے قریب ہوگی تو وہ اس سے قریب ہوگی (۳) معنی لغوی کے اعتبار قرب و بعد میں یہ نسبت ہوتی ہے (۴) لیکن یہاں قرب سے قرب حسی مراد نہیں بلکہ توجہ مراد ہے اور یہ ہوسکتا ہے کہ ایک کو دوسرے کی طرف توجہ ہو لیکن اس کو اس کی طرف توجہ نہ ہو (۵) بالکل خلاف اصل ہے۔

روح دنیا

شاید کسی کو شبہ ہو کہ دیندار مسلمانوں کے پاس دنیا کم دیکھتے ہیں اور غیر دیندار مسلمانوں کے پاس زیادہ۔ تو سمجھ لو کہ دنیا مال و دولت کا نام نہیں روح دنیا کچھ اور ہی ہے اور وہی دنیا سے مقصود ہے۔ پس دنیا درحقیقت وہ ہے اور وہ راحت قلب ہے چنانچہ اگر ایک شخص کے پاس ایک لاکھ روپیہ بھی ہو اور جائیداد بھی ہو ہر طرح کا سامان عشرت بھی مہیا ہو اور اس کے ساتھ ہی اسے یہ بھی معلوم ہو کہ آج کے چوتھے روز مجھے پھانسی دے دی جائے گی اب فرمایئے کہ کیا اسے اس دولت سے خوشی ہوگی' کیا اسے اس سامان عشرت سے لطف میسر ہوگا؟ کیا اسے لذیذ کھانوں میں حظ آئے گا؟ کیا اسے عالی شان کوٹھی میں راحت ملے گی؟ کیا خاک راحت ملے گی کیا خاک لطف وحظ آئے گا اس وقت دنیا اس کی آنکھوں میں اندھیر ہوگی یہ سب کیوں محض اس لئے کہ اس کے قلب کو راحت میسر نہیں اس سے معلوم ہوا کہ اصل اور روح دنیا کی راحت ہے محض مال ودولت سے کچھ نہیں ہوتا اور میں بقسم کہتا ہوں کہ حقیقی راحت اہل اللہ کو میسر ہے اگر آپ کو یقین نہ آئے تو ان کے پاس رہ کر دیکھ لیجئے جس پر آپ کو رحم آرہا ہے کہ ہائے اس کے کپڑے پھٹے ہوئے ہیں جوتا ٹوٹا ہوا ہے اگر یہ شخص دیندار ہے۔ تو واللہ یہ شخص راحت میں ہے اور نافرمان امیر اس کے مقابلہ میں مصیبت میں ہے اور واقعی خدا کے نافرمانوں کو کسی وقت چین نہیں ہے۔

معرفت ومحبت

اور اس میں ایک راز ہے وہ یہ کہ حوادث (۱) انسان کے اختیار میں نہیں ہوتے ایک مقدمہ یہ ہوا۔ دوسرا مقدمہ یہ کہ زیادہ حوادث (۲) طبیعت کے خلاف

(۱) واقعات (۲) زیادہ واقعات۔

ہوتے ہیں پس جب ناگوار خلاف طبیعت امور پیش آتے رہیں گے تو چین کیوں کر میسر ہوگا روپیہ بہت ہے مگر کیا کریں کہیں نیند نہ آنے کی شکایت ہے کہیں معدہ کمزور ہے عمدہ غذا نہیں کھاسکتے۔ کبھی زکام ہے کبھی پیچش ہے (۱) کبھی بخار ہے حالت غور کرکے دیکھئے تو آرام سے بیٹھنا میسر نہیں ہوتا بیٹھے ہیں خبر آئی کہ بھانجا بیمار ہے یا بیٹے کو بخار ہے غرض زیادہ حوادث ایسے ہی ہوتے رہتے ہیں جو پریشان کرنے والے ہیں، تیسرا مقدمہ یہ کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ واقعات رک جائیں یا خلاف طبع نہ رہیں اگر اس کی تدبیر کی کوئی صورت ہے تو صرف یہ ہے کہ مزاج کو ایسا کرلے کہ کوئی واقعہ خلاف مزاج نہ رہے اور مزاج ایسا کس طرح ہوسکتا ہے۔ سو وہ ٹوٹے پھوٹے بوریوں میں اور تنگ و تاریک حجروں میں ہوسکتا ہے اور وہ کیا چیز ہے جو ان حجروں میں بیٹھنے سے ملتی ہے وہ محبت و معرفت ہے۔

محبوب کی ہر ادا محبوب

اس کو ایک مثال سے سمجھئے اگر کوئی شخص کسی کو پیچھے سے ایک دھول مارے (۲) تو کتنا غصہ آوے گا۔ اتفاق سے یہی شخص کسی عورت پر فریفتہ ہوگیا۔ اس نے بھی ایسا ہی کیا جب تک اس کو دیکھا نہ تھا تغیر ہوا تھا مگر دیکھا تو محبوبہ بس اس دھول پر نثار ہوجاوے گا کہ ایسی کہاں میری قسمت اور بزبان حال کہے گا۔

ناخوشِ تو خوش بود برجان من دل فدائے یار دل رنجان من

''تیری یعنی محبوب کی جانب سے جو امر پیش آئے گو وہ طبیعت کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو مگر وہ میری جان پر خوش اور پسندیدہ ہے میں اپنے یار پر جو میری جان کو رنج دینے والا ہے اپنے دل کو قربان کرتا ہوں''۔

(۱) دست آرہے ہیں (۲) تھپڑ مارے۔

بھلا اس کے ہاتھ سے تو بڑی بات ہے محبوب کے معائنہ میں جو تکلیف پیش آتی ہے وہ تک ناگوار نہیں ہوتی ایک شخص کو کسی کے عشق میں اس کے ورثہ نے سوکوڑے مارے ننانوے میں تو ہنستا رہا اور اخیر کے ایک کوڑے میں رو دیا لوگوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے اس نے کہا کہ ننانوے میں تو میرا محبوب بھی شریک تماشہ تھا اور اخیر کے چابک میں وہ چلا گیا تھا۔

بجرمِ عشق توام میکشند غوغائے است تو نیز برسر بام آ کہ خوش تماشائے است

''تیرے عشق کے جرم میں تکلیف اٹھا رہے ہیں اور شور مچا رہے ہیں تو بھی کوٹھے پر آ بہت اچھا تماشا ہے''

یہ درخواست کہ تو نیز برسر بام آ۔ بس اسی واسطے ہے کہ خالی محبوب کے دیکھنے سے بھی تکلیف کی ناگواری جاتی رہتی ہے اس کی تائید قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے کہ حضور ﷺ کی تسلی کے لئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ کہ آپ قضا وقدر کے حکم پر صبر کیجئے کیونکہ آپ ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ ہم آپ کو دیکھ رہے ہیں۔

ہمینم بس کہ داند ما ہرویم کہ من نیز از خریداران اویم

''مجھ کو یہی کافی ہے کہ میرا محبوب جان لے کہ میں بھی اس کے خریداروں میں ہوں''

بس عشق اور معرفت درد کو کھو دیتا ہے، محبت و معرفت عجیب چیز ہے جو واقعہ محبوب کی طرف سے پیش آئے وہ ناگوار ہی نہیں ہوتا ؎

از محبت تلخہا شیریں شود

''محبت سے تلخیاں بھی گوارا ہیں''

غرض مزاج کو ایسا بنانے والی چیز محبت و معرفت ہے اس کا خاصہ ہے کہ قلب کے اندر نور پیدا ہو جاتا ہے کہ جس سے بجز محبوب کوئی چیز نظر نہیں آتی۔

محبت اور معرفت میں فرق

اور یہ دو چیزیں ہیں ایک محبت ایک معرفت دونوں کی حقیقت الگ الگ ہے۔ معرفت سے تو یہ بات پیدا ہو جاتی ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے ادھر سے ہوتا ہے اور محبت اسے خوشگوار بنا دیتی ہے معرفت کے باب میں شیخ فرماتے ہیں گلستان میں۔

از خدا داد خلاف دشمن و دوست کہ دل ہر دو در تصرف اوست

''دوست کی مہربانی اور دشمن کی دشمنی کو خدا کی طرف سے سمجھو کہ دونوں کے دل پر اسی کا تصرف ہے''

دریں نوعے از شرک پوشیدہ ہست کہ زیدم بیازرد و عمروم رنجیست

''اس میں بھی ایک قسم کا شرک ہے کہ زید نے مجھ کو آزردہ کیا اور عمرو نے زخمی کیا''

یعنی زید و عمرو کی طرف منسوب کرنا بھی ایک قسم کا شرک ہے جب حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا پوچھا گیا ہمارے دربار میں کیا لائے اس سوال سے بہت شرم آئی کہ کیا عمل بتادوں کہ کیا لایا ہوں اپنے نزدیک بے غبار جواب سمجھ کے عرض کیا کہ توحید لایا ہوں کیوں کہ یہ تو ادنیٰ شرط اسلام ہے اس کے عرض کرنے میں کوئی دعویٰ نہیں ارشاد ہوا اَمَّا تَذْکُرُ لَیْلَۃَ اللَّبَنِ وہ رات بھی یاد ہے جب کہا تھا کہ دودھ سے درد ہو گیا کیا منہ لیکر دعویٰ توحید کا کرتے ہو دودھ کو فاعل ٹھہرا چکے ہو، کانپ اٹھے عرض کیا یا الٰہی سوائے اعتراف خطا و قصور کے اور کچھ نہیں لایا بس اس

جرح میں رہ گئے یہی توحید ہے جو معرفت کے کامل ہونے سے کامل ہوجاتی ہے پھر تو یہ حالت ہوجاتی ہے۔

موحد چہ برپائے ریزی زرش چہ فولاد ہندی نہی برسرش
امید و ہراسش نباشد زکس ہمین ست بنیاد توحید و بس

''موحد اور عارف کے قدموں پر خواہ زر بکھیرو۔ یا اس کے سر پر تلوار رکھو امید وخوف اس کو بجز خدا کے کسی سے نہیں ہوتا توحید کی بنیاد بس اسی پر ہے''

وجہ یہ کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ لوگ کر رہے ہیں کوئی اور ہی ان سے کرا رہا ہے۔ میں نے ایک صندوق دیکھا ایک دیہاتی بڑھئی بنا کر لایا تھا اس کے ڈھکنے کے اوپر لکڑی کی پتلیاں تھیں صندوق کے اندر اس کی مشین تھی ایک تار ہر پتلی میں لگا ہوا تھا جب کوک دی جاتی تھی تو سب پتلیاں حرکت کرنے لگتی تھی، کوئی موسل سے کوٹتی کوئی چھاج سے پھٹکتی تھی کوئی عورت چکی چلاتی تھی کوئی چرغہ کاتتی تھی ایک آرا چلا رہا تھا غرض جتنی پتلیاں اتنی حرکتیں اور ایک کنجی سے ساری حرکتیں ہوتی تھی۔ اسی طرح دنیا میں جو کچھ کرتے ہیں ان کی حرکت خود بخود نہیں ہے کسی اور نے وہ حرکت دے رکھی ہے جب عارف کی نظر تیز ہوجاتی ہے تو اسی تحریک کے مشاہدہ کے سبب زید وعمر پر نظر نہیں پڑتی۔

اثرِ معرفت ومحبت

یہی وجہ ہے کہ بجائے اس کے کہ کسی پر غیظ آوے وہ حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ دوسرا تصرف فرمادے۔ حضرت سلطان ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ تارک سلطنت، میں ایک مرتبہ جہاز میں سوار ہوئے جہاز پر کسی امیر کے یہاں روزانہ نقلیں ہوا کرتی تھی۔ نقالوں نے ایک روز درخواست کی کہ اگر کوئی غریب

آدمی میسر ہوجاوے تو اس سے دھول دھپا کریں اور نقل کا لطف بڑھے تمام جہاز میں کسی اور پر تو دست اندازی کی جرأت نہ ہوئی مگر حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کو غریب سمجھ کر اس کام کے لئے منتخب کر کے لے گئے۔

ایں چنیں شیخے گدائے کو بکو عشق آمد لاابالی فاتقوا

''ایسا فقیر صفت شیخ عشق میں بڑا لاابالی ہے پس ڈرتے ہی ہو''

غرض انہیں مجلس میں لے گئے ان پر یہ مشاہدہ غالب ہے کہ یہ لوگ خود نہیں کھینچ رہے ہیں ان سے کوئی اور ہی کھنچوا رہا ہے ہم انہیں کے ہیں وہ جس حالت میں رکھیں راضی ہیں۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

''زندہ کریں آپ کی عطا ہے قتل کریں آپ پر فدا ہوں دل آپ پر مبتلا ہوگیا ہے جو تصرف کریں آپ سے راضی ہوں''

اب کوئی دھول لگا رہا ہے کوئی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹ رہا ہے یہ اس طرح خاموش کہ گویا حس ہی نہیں جب دیر ہوگئی تو عادۃ اللہ ہے کہ

حلم حق باتو مواسا کند چونکہ از حد بگذری رسوا کند

''اللہ تعالیٰ کی بردباری تمہارے ساتھ مواسات یعنی رعایت کرتی ہے جب تمہاری گستاخیاں حد سے بڑھ جاتی ہیں تو رسوا کرتے ہیں''

ایک دفعہ غیرت باری کو جوش آیا ارشاد ہوا اے ابراہیم ان کی گستاخی حد سے بڑھ گئی کہو تو سب کو غرق کردوں یہ عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ غرق کرنے کی جگہ ان کو آنکھیں ہی نہ دے دیجئے اور اس خرافات سے نکال ہی نہ لیجئے سبحان اللہ یہ ہے

اتباع سنت۔ جس وقت حضور ﷺ کا دندان مبارک شہید ہوا ہے تو حضور ﷺ جنابِ باری میں عرض کرتے ہیں: (اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ) (الدر المنثور ۲:۲۹۸)

''اے الہ میری قوم کو ہدایت کردے کہ یہ جانتے نہیں''

ملا دو پیازہ نے ایک فال نامہ لکھا ہے اس میں لکھا ہے کہ (الرسول خیر خواہ دشمنان) ''رسول دشمنوں کا بھی خیر خواہ ہے'' تو واقعی حضور ﷺ خیر خواہ دشمناں ہی ہیں بہر حال حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا غریق ہونا گوارا نہ کیا تو یہ کیا بات ہے کیوں نہیں غیظ ہوتا یہ اثر معرفت کا ہے اسی پر شیخ شیرازی فرماتے ہیں:

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خوئے چو بگذشت برعارف جنگجوئے

گرایں مدعی دوست بشناختے بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

''بہلول مبارک خصلت نے کیا اچھی بات کہی جبکہ وہ لڑنے والے عارف پر گذرے اگر اس مدعی کو اللہ تعالیٰ کی معرفت ہوتی تو دشمن کے ساتھ لڑائی میں مشغول نہ ہوتا''

یعنی اگر اس کو دوست کی معرفت ہوتی تو دشمن سے لڑنے کی فرصت ہی نہ ہوتی اب معلوم ہوتا ہے کہ فرصت ہے یہ لڑائی اسے ہی زیبا ہے جسے دوست کا مشغلہ نہ ہو ورنہ۔

دیدہ از دیدنش نگشتے سیر ہمچناں کز فرات مستسقی

''(آنکھ اس محبوب) کے دیکھنے سے سیر نہیں ہوتی جیسے جلندھر(۱) کا مریض نہر فرات کے پانی سے سیر نہیں ہوتا''

---

(۱) جس کو پیاس کا مرض لاحق ہوجائے اس کی پیاس نہیں بجھتی جتنا چاہے پانی پی لے۔

کیا یہ تھوڑا کام ہے اسے فرصت کہاں مل سکتی ہے غرض یہ اثر تو معرفت کا ہے کہ یہ حادث واحد حقیقی کے تصرف سے ظاہر ہوا ہے اور زید وعمر واسطہ محضہ ہیں۔

اور محبت سے یہ ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی ناگواری اڑ جاتی ہے سو دونوں کی ضرورت ہے کیونکہ نری معرفت ہو اور محبت نہ ہو تو سب سے زیادہ دریائے ہلاکت میں ایسا عارف ہی ڈوبے گا مثلاً کوئی مر گیا تو عارف صاحب جانتے ہیں کہ خدا نے مارا طاعون نے نہیں مارا پس اگر محبت نہ ہونے کے سبب یہ واقعہ ناگوار ہو تو یہ عارف بجائے طاعون کے خدا کی شکایت کرے گا تو نری معرفت ہلاکت ہے یہ خدا کی رحمت ہے کہ اہل اللہ کی صحبت میں دونوں باتیں میسر ہو جاتی ہیں تو صحبت کے بعد جبکہ معرفت ومحبت دونوں دولتیں عطا ہو گئیں تو اب جو واقعہ پیش آئے گا معرفت کے سبب خلق سے ناگواری نہ ہوگی اور محبت کے سبب خالق سے ناگواری نہ ہوگی چاہے کتنا ہی عظیم حادثہ ہو مگر یہ خوش ہیں کہ ؎ ہر چہ از دوست می رسد نیکوست

''جو کچھ دوست کی طرف سے پیش آئے وہ خیر ہی ہے''

حقیقی آسائش اسے کہتے ہیں مصیبت سے اور لوگ گھبراتے ہیں اور یہ ہنستا ہے خوش ہوتا ہے۔

عارفین کے نزدیک حقیقت موت

اجی اور تو اور موت جو کہ تمام مصیبتوں کا میزان کل ہے (۱) اور جس سے سب لوگ گھبراتے ہیں حتی کہ بعض سلاطین نے اپنے قلعہ میں خضر دروازہ ایک ایسے دروازہ کا نام رکھا تھا جس میں سے خاندان شاہی کے جنازوں کو نکالا جاتا تھا تو موت کا نام لینے سے گھبراتے تھے کسی لڑکی نے ایک بڑھیا کو کہا کہ مرتی بھی نہیں تو

(۱) تمام مصائب کا اصل الاصول ہے۔

اس بڑھیا نے اپنی ایک ساتھن سے جا کر بطور شکایت کہا کہ سنا بھی کہ فلاں مجھ کو یوں کہتی تھی کہ اے بڑھیا تو یوں ہو جا پھر وہ بڑھیا کیا کہتی ہے اے اللہ میاں سنیو مت۔ کمبخت احمق اگر اللہ میاں یہ تیری سنیں گے تو وہ اس کی بھی سنیں گے ورنہ یہ کہاں سے سنیں گے تو موت سے بڑھیاں بھی گھبراتی ہیں غالباً مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک بڑھیا کی لڑکی جس کا نام مہتی تھا بہت بیمار تھی جب اس کی حالت زیادہ غیر ہوئی تو بڑھیا نے رو رو کے دعا کی کہ اے اللہ اسے اچھا کر دے اور اس کے بدلے مجھے موت دے دے۔ ایک دن شام کے وقت اس کی گائے کسی امیر کے باورچی خانہ میں جا گھسی اور ایک پتیلہ میں منہ ڈال دیا پھر نکال نہ سکی اسی ہیئت سے (۱) وہ اپنے گھر آ گئی بڑھیا نے اس ہیئت سے کبھی اس کو دیکھا نہ تھا سمجھی کہ میری دعا قبول ہوگئی اب یہ عزرائیل آ گئے بس گھبرا کے لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہتی ہے اے موت یہ ہے اسے لے جاؤ۔

گفت اے موت من نہ مہتی (۲) ام پیرزال غریب محنتی ام

''کہا اے موت میں مہتی نہیں ہوں میں ایک غریب محنتی بڑھیا ہوں''

غرض لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی دیکھ یہ ہے میں نہیں ہوں۔ موت کا نام آتے ہی بس بیٹی کی محبت فنا ہوگئی، یہیں کانپور میں ایک عجیب وغریب واقعہ ہوا۔ ایک لڑکے کو سرسام ہوگیا تدبیریں کی گئیں کچھ افاقہ نہ ہوا لوگ یہ سمجھے کہ مر گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آ گیا ماں سمجھی کہ یہ بھوت ہوگیا تو اب اس کے لئے تعویذ گنڈے کراتی پھرتی ہے کہ کسی طرح مر جاوے اگر کسی موقع پر مردہ اہل مجلس کو مخاطب کر کے السلام علیکم کہہ دے تو سب ڈر کے مارے بھاگ جاویں تو یہ

(۱) اسی حالت میں (۲) لڑکی کا نام۔

موت جو کہ لوگوں کے نزدیک اتنی بڑی مصیبت ہے کہ راس الکل ہے تمام مصائب کی مگر اس کی حقیقت ان عارفین محبین کے نزدیک کیا ہے یہ ہے کہ اس کے شوق وتمنا میں عارف شیرازی فرماتے ہیں۔

خرم آں را وزکزیں منزل ویراں بردم راحت جاں طلبم وز پئے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر ایں غم بسر آید روزے تادرمیکدہ شاداں وغزلخواں بروم

''وہ دن مبارک ہے جس روز میں اس دنیائے فانی سے کوچ کروں راحت جان طلب کروں اور محبوب کے لئے جاؤں میں نے نذر کی ہے کہ جس دن یہ غم تمام ہوجائے یعنی موت کا وقت آئے تو محبوب کے دربار تک خوش وخرم اور غزل پڑھتا ہوا جاؤں''

فقط خرم ہی نہیں منت بھی مانتے ہیں کیا ٹھکانہ ہے ان کے نزدیک یہ موت کی حقیقت ہے کہ تمنا کرتے ہیں شاید کوئی کہے کہ یہ فرصت کی باتیں ہیں مرتے وقت یہ حالت رہے تو جانیں، اس وقت تو نانی یاد آتی ہوگی تو لیجئے ایک بزرگ عین حالت نزع میں مسرور ہوکر فرماتے تھے۔

وقت آن آمد کہ من عریاں شوم جسم بگذارم سرا سر جاں شوم

''اب وہ وقت آرہا ہے کہ میں عریاں ہوں جسم کو چھوڑ کر سراسر جان بنوں''

خوش ہورہے ہیں کہ الحمدللہ اس جیل خانہ سے چھوٹنے کا وقت آگیا بلکہ ان کی مسرت کی تو یہ کیفیت ہے کہ بعض بعض سے بطور خرق عادت خود بعد موت بھی مسرت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں یا قرائن سے مسرت بعدالموت کا پتہ لگتا ہے چنانچہ ایک بزرگ نے وصیت کی تھی کہ میرے جنازہ کے ساتھ ساتھ یہ شعر پڑھتے چلیں۔

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو شیأ للہ از جمال روئے تو
دست بکشا جانب زنبیل ما آفریں بردست وبربازوئے تو

''آپ کے دربار میں ہم مفلس ہوکر آئے ہیں اپنے جمال کے صدقہ میں کچھ

عنایت کیجئے ہماری زنبیل کی طرف ہاتھ بڑھایئے آپ کے دست و بازو پر آفرین ہے''

آخر کیا بات ہے اور میں نے ایک کتاب میں دیکھا کہ جب سلطان نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ لے کر چلے تو ان کے ایک عاشق زار کی زبان سے شدت غم میں بے ساختہ نکلا۔

سرو سیمینا بصحرا می روی سخت بے مہری کہ بے ما میروی
اے تماشا گاہ عالم روئے تو تو کجا بہر تماشا میروی

''اے محبوب آپ جنگل میں جارہے ہیں سخت بے مہر ہیں کہ بغیر ہمارے جارہے ہیں اے محبوب آپ کا رخ انور جہان کا تماشاہ گاہ ہے آپ تماشا کے لئے کہاں جارہے ہیں''

تو لکھا ہے کہ کفن میں سے آپ کا ہاتھ اونچا ہوا جیسے وجد میں ہوتا ہے۔ لوگوں نے انہیں پڑھنے سے روکا۔ تو مرنے کے بعد بھی یہ حالت ہوتی ہے اس کی وجہ کیا ہے صرف یہ ہے کہ مرنے کے وقت کو زمان وصال سمجھتے ہیں اس لئے اس کی تمنا کرتے ہیں جیسے جامی فرماتے ہیں۔

چہ خوش وقتے وخرم روز گارے کہ یارے برخورد از وصل یارے

'' کیا اچھا وقت اور کیا اچھا زمانہ ہے کہ اس میں کوئی محبت اپنے محبوب کے وصال سے متمتع ہو''

ایک بزرگ طاعون کو خطاب فرماتے ہیں: خُذْ نِیْ اِلَیْكَ ''مجھ کو پکڑ لے) اس موقع پر مجھے عراقی کا شعر یاد آتا ہے۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

'' دشمن کا ایسا نصیب نہ ہو کہ تیری تلوار سے ہلاک ہو دوستوں کا سر سلامت رہے کہ تو خنجر آزمائی کرے''

پس موت کے سامنے ان کی یہ حالت ہے معرفت و محبت یہ چیز ہے۔

کمال نظر معرفت

خلاصہ یہ ہے کہ جس کو حق تعالیٰ سے تعلق ہے اس کو دنیا میں کوئی پریشانی نہیں ہوتی اور آخرت میں وعدہ صادقہ ہے جنت کا اور اگر جنت بھی چند روز گناہوں کے سبب نہ ملے تب بھی آخرت کی تکلیف مومن کے لئے دنیا کی راحت سے افضل ہے کیونکہ اس تکلیف کے انقطاع کی ہر وقت یقینی امیدوار یہاں کی راحت کے زوال کا ہر وقت یقینی خوف۔ اور ان مضامین کا اکثر حصہ حال سے سمجھ میں آسکتا ہے نرے قال سے نہیں (۱) یوں تو طوطا بھی نبی جی بھیجو سیکھ لیتا ہے مگر جب بلی آکر دبائے تو ٹاں ٹاں ٹاں ہی کرتا ہے۔ اور حال میسر ہوتا ہے اہل حال کی صحبت میں پس اس کا بھی اہتمام کرو لوگ کہتے ہیں اب اس شان کے بزرگ نہیں رہے تو کس کی صحبت اختیار کریں سو یہ خیال بالکل غلط ہے ایسے بندگان خدا اب بھی موجود ہیں لیکن ایک دن میں نظر نہیں آسکتے اگر کسی کی آنکھ آج بنی ہو تو نظر ضعیف ہوگی۔ تھوڑی دور کی چیزیں دکھائی دیں گی۔ چار دن کے بعد اور آگے نظر آئے گا۔ تو نظر تو ہے مگر اول دن اس لئے نظر نہیں آتا کہ ضعیف ہے۔ ہاں سرمہ ہو تو نظر آوے وہ سرمہ بھی انہیں کی صحبت میں ہے کہ جس سے نظر آجاوے گا مگر مشکل تو یہ ہے کہ لوگ دیکھتے ہیں رسوم کو اور محققین کے یہاں رنگے کپڑے ہوں گے نہ ایسی موٹی تسبیح ہوگی کہ ہتھیار کا کام دے جیسا ایک شاہ صاحب کہتے تھے کہ تسبیح ایسی تو ہو کہ لاٹھی کا کام دے غرض ان کے یہاں نہ کوئی گنبد دار مزار ہے نہ رسوم ہیں کہ نیاز ہو رہی ہے عرس ہو رہا ہے یہ کچھ بھی نہیں بس ایک چیز ہے۔

یکے دان ویکے خوان ویکے بیں

''ایک کو جان ایک پڑھ اور ایک ہی کو دیکھ'' انہی کا یہی مذہب ہے۔

خلیل آسادر ملک یقیں زن نوائے لا احب الآفلین زن

(۱) صرف باتیں بنانے سے یہ بات حاصل نہیں ہوتی۔

''ابراہیم علیہ السلام کی طرح یقین حاصل کر کے لا احب الآفلین (میں غروب ہوجانے والوں سے محبت نہیں رکھتا) کی صدا لگاؤ''

ان کے یہاں اور تو کوئی کیا چیز ہوتی وہ خود بھی نہیں رہے

بحال تہی دست باید گرستن کہ تانقد دل ہم بہ چنگے ندارد

''تنگدستی کی حالت میں رونا چاہیے کہ نقد دل چنگل میں نہیں رکھتا ہے''

اور وہ اپنی ہستی کیسے نہ مٹاتے جبکہ ان پر محور کرنے والی تجلی ہورہی ہے جس کی خاصیت ہی یہ ہے۔

چو سلطان عزت علم برکشد جہاں سر بجیب عدم درکشد

''جب محبوب حقیقی کی تجلی قلب پر وارد ہوتی ہے سب چیزیں فنا ہوجاتی ہیں''

اگر آفتاب ست یک ذرہ نیست وگر ہفت دریاست یک قطرہ نیست

''اگر آفتاب ہے ایک زرہ نہیں اور سات دریا ہیں۔ تو ایک قطرہ نہیں ہے''

تو اگر صحیح شناخت ہو تو اللہ کے بندے ایسے ایسے نظر آویں گے کہ ان کی صحبت میں تمہاری نگاہ تیز ہوجاوے گی ان کی صحبت اختیار کرو تو کھلی آنکھوں نظر آجاوے گا کہ معرفت ومحبت کیا چیز ہے اور یہ کہ حقیقی آسائش اہل معرفت ومحبت ہی کو حاصل ہے انہیں کی شان میں ہے۔

مبیں حقیر گدایاں عشق را کایں قوم شہان بے کمر وخسردان بے کلہ اند

''گدایان عشق کو حقیر نہ سمجھو کیونکہ یہ لوگ شاہان بے تخت وتاج ہیں''

اور یہ امر واقعی ہے نری شاعری نہیں ہے یہ ان کی حالت ہے مشاہدہ کرلو ان کے اقوال وافعال میں واقعات کے وقت غور کرو کہ ان کی کیا کیفیت ہے ہر وقت ان کا مذہب یہ ہے۔

سوئے نومیدی مرو کا مید ہاست سوئے تاریکی مرو خورشید ہاست

’’ ناامیدی کی راہ نہ جاؤ بہت سی امیدیں ہیں تاریکی کی طرف نہ چلو، بہت سے آفتاب ہیں یعنی اللہ تعالیٰ سے ناامید نہ ہو امیدیں رکھو‘‘

دنیا دار کا ایک ذرا سا بچہ بیمار ہو جاتا ہے تو تیماردار بدحواس ہو جاتے ہیں وہاں سب کے سب اگر فدا ہو جائیں تو بھی کچھ پرواہ نہیں۔

صحابہ کی حضور ﷺ سے محبت

ایک غزوہ میں ایک بی بی کے شوہر اور بچے باپ سب کام آ گئے، کسی نے کہا کہ تمہارا باپ بھائی بچے سب مارے گئے تو وہ کہتی ہے رسول اللہ ﷺ بھی سلامت ہیں کہا ہاں کہنے لگے جب آپ سلامت ہیں تو مجھے کسی کے کام آنے کی کچھ پرواہ نہیں۔

فَاِنَّ اَبِیْ وَوَالِدَتِیْ وَعِرْضِیْ لِعُرْضِ مُحَمَّدٍ مِنْکُمْ وِقَاء

’’یعنی میرے ماں باپ کی عزت محمد ﷺ کی آبرو کے لئے تم سے وقایہ یعنی ڈھال ہے‘‘

مولانا فرماتے ہیں۔

روزہا گر رفت گو روباک نیست تو بماں اے آنکہ جز تو پاک نیست

’’ایام تلف ہونے پر حسرت نہ کرنا چاہیے اگر گئے بلا سے عشق جو اصلی دولت ہے اور سب خرابیوں سے پاک وصاف اس کا رہنا کافی ہے‘‘

جناب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام کو کس قدر قلق ہوا کہ ہم میں سے اگر کسی کو اس درجہ کا قلق (۱) ہو تو دیوانہ ہو جائے مگر خدا کے زندہ رہنے کے مضمون سے تسلی ہوگئی۔ جب آپ کی وفات ہوئی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کمال حزن (۲) میں فرما رہے تھے کہ اگر کوئی کہے گا کہ وفات ہوگئی تو قتل کر دوں گا۔

(۱) رنج (۲) انتہائی غم کی وجہ سے

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی: ﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ﴾(۱)

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تسلی ہوگئی اور فرمایا کہ میں اس قدر اس آیت کو بھولا ہوا تھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آج ہی نازل ہوئی ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی مگر خدا زندہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا ایک انداز

مجھے صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس حالت پر ایک حکایت یاد آئی میرے ایک دوست ہیں ہم وطن بھی ہیں بہت ہی خوف زدہ ہوکر اپنی حالت بیان کرنے لگے کہ مجھے جتنی حق تعالیٰ سے محبت ہے اتنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں میں نے کہا کچھ پریشانی کی بات نہیں کہ تمہاری یہ حالت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہے۔ تم بالکل متبع سنت ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی محبت نہ تھی جتنی خدا سے تھی۔ شگفتہ ہوکر دعائیں دینے لگے۔ صحابہ کی بھی یہی کیفیت تھی تو حضرت اتنے بڑے واقعہ پر صحابہ کا صبر کرنا محض اس وجہ سے تھا کہ حی لا یموت تو ہے اسی سے انہیں غم مہلک نہیں ہوا رنج قاتل نہیں ہوا۔

حالت غم میں تسلی کا طریقہ

خدا تعالیٰ نے اسباب مصیبت کا ایک معالجہ یہ بھی کیا ہے یعنی جب کوئی حادثہ پیش آتا تو صبر وسکون کا علاج بتلاتے ہیں: ﴿اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾(۲)

دو تعلیمیں فرمائی ہیں ایک خواص کے لئے اور ایک عوام کے لئے، اِنَّا للّٰہِ ہم خدا کے ہیں یہ خواص کے لئے ہے کہ جب اپنے کو خدا کا سمجھیں گے تو اس کے

(۱) ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول ہی تو ہیں اور آپ سے پہلے بہت سے رسول گذر گئے پس اگر مرجائیں یا قتل ہوجائیں تو تم ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے؟'' سورۂ آل عمران: ۱۴۴ (۲) ''جب ان کو مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں'' سورۂ بقرہ: ۱۵۶۔

ہر تصرف کو خوشی سے گوارا کریں گے وَاِنَّـا اِلَیْـہِ رَاجِعُوْنَ اور ہم اسی کی طرف لوٹیں گے یہ دوسروں کے لئے ہے اس طرح سے کہ جب سب وہاں جارہے ہیں تو سب جمع ہوکر مل جاویں گے وہ شخص مفقود بھی (۱) مل جاوے گا جیسا کہ اگر کسی کا کوئی عزیز حیدرآباد میں وزیراعظم ہوجاوے تو تم آیا یہ چاہو گے کہ وہ ہمارے پاس چلا آئے یا یہ چاہو گے کہ ہم بھی وہاں پہنچ جائیں بس یوں سمجھو کہ جو مراوہ حیدرآباد پہنچا۔

حقیقت شناس نظر

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک بڈھا آیا کہ حضرت دعا فرمادیجئے کہ بیوی بہت بیمار ہے جاں بلب ہے تندرست ہوجاوے۔ فرمایا کہ بھائی مرتی ہے، مرنے دو خدا کا شکر کرو کہ ایک مسلمان جیل خانہ سے چھوٹتا ہے۔ جہاں وہ جاتی ہے تم بھی پہنچ جاؤ گے میں نے کہا لو! بڑے میاں آئے تھے بیوی کو بچانے اپنے مرنے کی بھی بشارت لے چلے۔ لو اور آؤ دعا کرانے۔ پھر کہنے لگا حضرت رحمۃ اللہ علیہ اگر وہ مرجائے گی تو میری روٹی کون پکائے گا فرمایا جی وہ ماں کے پیٹ سے روٹی ہی پکاتی تو آئی تھی۔ اللہ اکبر ہر امر میں حقیقت پر نظر تھی غرض جب نظر معرفت کی کامل ہوجائے گی پھر پریشان ہو اس کی بلا بہر حال یہ آثار تھے تعلق کے اور بے تعلقی کے کہ بے تعلقی سے دونوں جہان کی مصیبتیں وابستہ ہیں افسوس ہے کہ اس کے بعد ہم کو فکر نہ ہو۔

غلط دعویٰ پر رد

اور اگر فکر ہے تو سنو حق تعالیٰ اسی کا طریق بتلاتے ہیں۔: ﴿بَلٰی ق مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ص وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾

(۱) گمشدہ شخص (۲) ''ہاں جو کوئی اپنا رخ اللہ کی طرف جھکائے اور وہ مخلص بھی ہو تو ایسے شخص کو اس کا عوض ملتا ہے پروردگار کے پاس پہنچ کر اور نہ ایسے لوگوں پر کوئی اندیشہ ہے اور نہ ایسے لوگ مغموم ہونے والے ہیں''۔

''بلٰی'' میں رد ہے اہل باطل کے ایک غلط دعویٰ کا کہ جس کے متعلق رد سے پہلے ارشاد ہے: (تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ) یہ ان کی آرزوئیں ہیں کہ بجز ان کے اور لوگ جنت میں نہیں جاویں گے آگے ارشاد ہوا۔ ''بلٰی'' یعنی کیوں نہیں جاویں گے پھر اس کی دلیل قاعدہ کلیہ کے ضمن میں بیان فرماتے ہیں: مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ الخ جو شخص سپرد کردے اپنی وجہ یعنی ذات کو خداوند تعالیٰ کے لئے اس حال میں کہ وہ محسن ہو۔ ان کا اجر اللہ کے پاس ہے نہ ان پر خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے یہ ترجمہ ہوا۔

یہاں پر حق تعالیٰ نے اس عمل منجی کو اسلام سے تعبیر فرمایا اس کی تفصیل سمجھنے کے بعد معلوم ہوگا کہ وہ کیا چیز ہے سو ہمارے روشن خیال حضرات کے نزدیک اس کی حقیقت ایسی چیز ہے کہ نہ اس میں کچھ مامورات ہیں نہ منہیات (۱) ان کی کیفیت یہ ہے کہ ان کو کسی منہی عنہ (۲) سے منع کرو تو کہتے ہیں کیا اس سے ایمان جاتا رہا مولویوں نے خواہ مخواہ تنگی کردی ہے اجی اسلام بہت وسیع چیز ہے۔ وہاں ایسے ایسے افعال کا کیا اثر بس لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں'' کے قائل ہوگئے اور اسلام کامل ہوگیا، نہ کسی فعل سے اس میں نقصان آتا ہے نہ کسی عقیدہ سے اس میں خلل آتا ہے اس کے لئے ایک حدیث یاد کر رکھی ہے (مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَدْ دَخَلَ الْجَنَّةَ) ''جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ لیا یقیناً وہ جنت میں داخل ہوگا'' سبحان اللہ اچھا ست نکالا (۳) کہ لا الٰہ الا اللہ کہہ لیا بس کافی ہے اب اور اعمال کی کیا ضرورت۔

من قال ''لا الٰه الا اللّٰه دخل الجنة'' کا مطلب

بے شک حدیث صحیح ہے مگر جو مطلب آپ سمجھے وہ اس کا مطلب ہی نہیں اس کا مطلب ایک دیہاتی مثال میں سمجھئے۔ ایک شخص ایک عورت سے نکاح کرلے

(۱) اس میں نہ کوئی چیز ایسی ہے جس کے کرنے کا حکم ہوا اور نہ ہی کوئی چیز ایسی جس سے منع کیا گیا ہو (۲) کسی ایسے کام سے روکو جس سے شریعت نے منع کیا ہے تو کہتے ہیں (۳) جوہر۔

قاضی پوچھے تم نے قبول کی وہ کہے قبول کی، لیجئے نکاح ہوگیا، یہ میاں یوں سمجھے کہ عورت ہاتھ آئی خوب چین کریں گے یہ خبر نہ تھی کہ تھوڑے دنوں میں لدنا پڑے گا(۱)۔ جس کی حقیقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کسی کے پوچھنے پر خوب فرمایا ہے: (سُرُوْرُ شِهْرٍ) ایک مہینہ کی خوشی پھر پوچھا (ثُمَّ مَا ذَا) یعنی پھر کیا ہوتا ہے فرمایا: (لُزُوْمُ مَهْرٍ) یعنی مہر لازم آجاتا ہے، پوچھا (ثُمَّ مَاذَا) پھر کیا فرمایا: (غُمُوْمُ دَهْرٍ) یعنی تمام زمانہ کے رنج وغم۔ پھر پوچھا (ثُمَّ مَاذَا) پھر کب فرمایا (كَسُوْرُ ظَهْرٍ) یعنی کمر ٹوٹ جاتی ہے غرض میاں ایک ماہ نوشہ رہے خوب عزت رہی دعوتیں ہوئیں اس کے بعد ماں باپ نے الگ کردیا اب گھر کرنے بیٹھے اب وہ غموم دھر میں مبتلا ہوئے الگ ہوتے وقت ماں باپ نے ایک ماہ کا غلّہ وغیرہ دے دیا تھا مہینہ بھر تک وہ کھاتے رہے جب ختم ہوگیا اب بیوی نے کہنا شروع کیا کہ غلّہ لاؤ، گھی لاؤ کپڑا بناؤ وغیرہ وغیرہ یہ لاؤ وہ لاؤ تو آپ کہتے ہیں بی بی تو پاگل ہوگئی ہے کیسی لکڑی، کیسا غلہ، کیسا گھی، میں نے ان چیزوں کی کہاں ذمہ داری لی ہے۔ اس نے کہا آخر تم نے ایجاب قاضی پر کہا نہ تھا کہ میں نے قبول کی، وہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے یہ تو نہ کہا تھا کہ میں نے غلہ وغیرہ بھی قبول کیا میں نے تو فقط تجھے قبول کیا تھا، نہ میں نے آٹا قبول کیا نہ لکڑی قبول کی، غرض جھگڑا اس قدر بڑھا کہ محلّہ کے عقلاء فیصلہ کرنے کے لئے جمع کئے گئے ان میں آپ بھی ہوں اب آپ بتائیے کہ کیا فیصلہ کریں گے کیا یہ فیصلہ نہ کریں گے کہ روٹی کپڑا سب اس سے دلائیں گے اور کہیں گے کہ ارے احمق بیوی کا قبول کرنا اس کی تمام ضروریات کا قبول کرلینا ہے اس کے لئے مستقل معاہدہ کی ضرورت نہیں۔

بس لا الٰہ الا اللہ کے بھی یہی معنی ہیں اب ذرا سنبھل کر کہئے گا بس اسی

(۱) کچھ دنوں بعد بوجھ کے نیچے دبنا پڑے گا۔

مختصر کلمہ نے تمام باتوں کو لے لیا ہے لہذا جب وضع خلاف شرع ہوگی تو ایک جز ''لا الٰہ الا اللہ'' کا چھوٹا تو مولوی اہل محلّہ کے مثل ہیں اور یہ اسی نادان کے مثل ہے جو کہتا ہے کہ میں نے تو ''لا الٰہ الا اللہ'' کہا تھا یہ کہاں کا جھگڑا نکالا کہ وضع خلاف شرع نہ رکھو داڑھی مت منڈواؤ یا مت کٹاؤ مونچھیں مت بڑھاؤ نماز پڑھو روزہ رکھو۔

اب تمہارے ہی اجلاس میں فیصلہ کراتا ہوں کہ مثال مذکورہ کی طرح اس شخص کا فقط ''لا الٰہ الا اللہ'' کو کافی سمجھنا صحیح ہے ذرا بھی عقل سلیم ہوگی تو کون کہے گا کہ صحیح ہے یہ تو اسلام کا ست نکالا کہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کہہ لو بس کافی ہے۔ بس یہ اسلام کی حقیقت بنادی اسی سے کہتے ہیں کہ اسلام بہت وسیع ہے۔

بعض مسلمانوں کی غلط فہمی

یہ تو امت جدیدہ کا مذاق تھا اب قدیم مذاق والوں کو لیجئے ان میں جو بڑے دیندار کہلاتے ہیں انہوں نے یہ کہا کہ نماز روزہ کرلو حور و قصور(۱) کا اعتقاد کرلو بس اسلام اس میں منحصر ہوگیا آگے رہے معاملات۔ جذبات۔ اخلاق۔ تہذیب۔ معاشرت۔ تمدن اس کو سمجھا کہ اسلام میں تو ہے نہیں پھر یا تو ان کو مطروح(۲) کردیا اور اگر کسی نے ان کا اہتمام کرنا چاہا تھا تو بس غیر قوموں سے لینا شروع کردیا افسوس ہمارے گھر کیا نہ تھا جو دوسروں سے دریوزہ گری کی گئی(۳) ہماری آپ کی بس یہ مثال ہے۔

یک سبد پر ناں ترا بر فرق سر تو ہمی جوئی لب ناں در بدر

ایک ٹوکرا روٹیوں کا سر پر ہے مگر بھیک مانگتے پھرتے ہیں اجی اتنی روٹیاں ہیں کہ اوروں کو بھی دے سکتے ہو آج جو متمدن قومیں ہیں ان کا اعتراف

(۱) جنت میں حوریں اور محلات کے ملنے کا یقین رکھو (۲) چھوڑ دیا (۳) دوسروں سے بھیک مانگی۔

ہے کہ ہم نے سب اسلام سے سیکھا ہے مگر مسلمان ایسے بے خبر ہیں کہ اپنا گھر چھوڑ کر پرائے در پر جاتے ہیں اسی مثال مذکور کا تتمہ ہے۔

تابزانوئی میانِ جوئے آب وزعطش وزجوع گشتستی خراب

''گھٹنے تک پانی ہے مگر اس سے غافل ہیں اور پیاس کے مارے غل مچارکھا ہے''

بس یہ حالت ہے اسلام کی حقیقت سمجھنے والوں کی۔ سواس آیت میں حق تعالیٰ نے اسلام کی حقیقت بیان فرمائی ہے کہ اسلام کیا چیز ہے اپنے کو خدا کے سپرد کردینا جس کا حاصل وہی تعلق مع اللہ نکلتا ہے جو تمہید میں بیان کیا گیا ہے۔

عقیدہ رسالت کی اہمیت

ہاں ایک غلطی اور ان نئے محققین کی حقیقت اسلام کے متعلق یاد آئی۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ مسلمان ہونے کے لئے صرف توحید کافی ہے اعتقادرسالت کی ضرورت نہیں۔ یہ زہرآلود عقیدہ ایک قریب کے ضلع سے نکلا ہے میں نے کہا اگر توحید کا عقیدہ کافی بھی تسلیم کرلیا جاوے تب بھی وہ عقیدہ توحید کا بدون اعتقادرسالت متحقق نہیں ہوتا وجہ یہ کہ توحید کی حقیقت خدا کو ذات وصفات میں کامل سمجھنا ہے۔ اور منجملہ صفات باری تعالیٰ صدق بھی ہے اگر کوئی (معاذ اللہ) خدا کو جھوٹا سمجھے تو وہ بوجہ انکار صفت کمال صدق کے توحید کا منکر ہے ایک مقدمہ تو یہ ہوا، اور دوسرا مقدمہ یہ کہ خدا نے ہمیں خبر دی ہے کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں تو جس نے دل سے اس کا یقین نہ کیا اس نے خدا کو جھوٹا جانا تو وہ توحید کا بھی منکر ہوا۔ جواب کے واسطے دس برس کی مہلت ہے اس کے بعد ان صاحب کی حالت اچھی ہوگی الحمدللہ بات یہ ہے کہ اونٹ جب تک پہاڑ تلے سے نہ نکلے اپنے کو بہت بڑا سمجھتا ہے تو اصل میں انہیں کوئی ان کے مذاق کا جواب

دینے والا نہیں ملا تھا اس لئے ان کے دماغ میں یہ سمائی تھی کہ میں بڑا ہوں گو ایسے بڑے پیسے کے آٹھ آٹھ بکتے ہوں (۱) بس اتنا فرق ہے کہ وہ تر بڑے ہیں یہ خشک بڑے ہیں بلکہ ایک شخص کا قول ہے کہ آج کل کے بڑے بڑیاں ہیں بڑے نہیں (۲) خیر یہ تو لطیفے تھے۔

دنیوی بڑائی کی خرابی

اصل میں بڑائی میں بڑی خرابی ہے مگر افسوس آج کل کے محقق اس کی تعلیم دیتے ہیں خودداری جس کا نام ہے یہ بھی وہی بڑائی ہے افسوس یہ اسی شاخ کو تازہ کررہے ہیں جس کی جڑ رسول اللہ ﷺ نے کاٹی ہے، جانتے ہو خودداری کا بانی کون ہے شیطان ہے جس نے آٹھ لاکھ برس تک عبادت کی جب اس کو ارشاد ہوا اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ آدم کو سجدہ کرو تو یہ قصہ ہوا کہ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ (بجز ابلیس کے سب نے سجدہ کیا اس نے انکار کیا اور اپنے آپ کو بڑا سمجھا) سب نے تو سجدہ کرلیا اور یہ کہتا ہے میں نہیں کرتا اس واسطے کہ مجھے عنصر اعلیٰ یعنی آگ سے بنایا ہے اور آدم کو عنصر ادنیٰ یعنی خاک سے بنایا ہے۔ غرض یہ اصول خودداری اسی نے ایجاد کئے ہیں جو اس کے وارثوں کو میراث میں پہنچتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے وارثوں میں یہ بات کہاں سے آتی ان کی یہ میراث ہے مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہ (مشکوٰۃ المصابیح: ۵۱۱۹) ''جو شخص اللہ کے لئے تواضع کرے تو اللہ تعالیٰ اس کا مرتبہ بلند کرتے ہیں'' اپنے کو بلند نہیں سمجھتے اور واقعی اگر کوئی بڑائی کرنے بھی لگے تو ہماری بڑائی ہی کیا۔

---

(۱) مطلب یہ ہے کہ نام کے بڑے ہیں جیسے دہی بڑے جو ایک پیسے کے آٹھ مل جاتے ہیں (۲) بطور لطیفہ کے یہ بات ارشاد فرمائی کہ دھی بڑے دہی میں بھیگے ہوئے ہونے کی وجہ سے گیلے ہوتے ہیں اور یہ خشک ہیں بلکہ یہ تو بڑے بھی نہیں بریاں جو ماش کی دال کی چھوٹی بنائی جاتی ہیں وہ ہیں مطلب یہ ہے کہ ان کی بڑائی کا کوئی اعتبار نہیں۔

زخاک آفریدت خداوند پاک پس اے بندہ افتادگی کن چو خاک
ترابا چنیں تندی و سرکشی نہ پندارم از خاکی یا آتشی

''اللہ تعالیٰ نے تجھ کو خاک سے پیدا کیا ہے پس اے بندہ خاکساری اختیار کر تجھ کو ایسی تندی وسرکشی کے ساتھ میں نہیں سمجھتا کہ تو خاکی ہے یا آتشی''

دنیا میں تین چیزیں ایسی ہیں جن پر آدمی بڑائی کرسکتا ہے۔ مال، دوسرے جمال، تیسرے کمال، بس یہ تین چیزیں ہیں بڑائی کی۔ سو مال پر تو کیا بڑائی کسی چور کو ذرا ہمت ہوجاوے ایک دن میں ساری بڑائی چھکڑوں پر لاد کر لے کر چل دیئے۔ (۱) اب رہا جمال، خدا بھلا کرے بخار کا کہ دو ہفتہ میں چڑیل بھوت کی شکل بنادیتا ہے پھر اپنی صورت سے آپ ہی شرم آنے لگتی ہے۔ رہا کمال تو تمام کمالات کا مدار ایک دماغ پر ہے دماغ پر کوئی آفت آجاوے لیجئے، وہ بھی گیا، یہ حشر ہے بڑائی کا، یہ بڑائی عقل کے بھی تو خلاف ہے یہ تو دنیا کی بڑائی تھی۔

دین کی بڑائی کی خرابی

بعض کو دین کی بڑائی کا زعم ہوجاتا ہے تو یہ حالت ہوتی ہے کہ قرآن وحدیث کا ترجمہ دیکھا اور اجتہاد شروع کردیا ترجمہ سے بدوں حقیقت شناسی کے اجتہاد کرنا ایسا ہی ہے، جیسا کسی شخص نے گلستان کا لفظی ترجمہ دیکھ کر اجتہاد کیا تھا اس میں یہ شعر دیکھا تھا کہ

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست در پریشاں حالی ودر ماندگی

''دوست وہ ہے جو پریشانی اور بدحالی میں دوست کی مدد کرے''

ان کو ایک جگہ ان کے دوست پٹتے ہوئے مل گئے مگر وہ بھی کچھ کچھ ہاتھ

(۱) سارا مال واسباب بیل گاڑیوں پر لاد کر لے جائے۔

پاؤں چلا رہے تھے آپ نے اس دوست کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے بس خوب پٹے اس نے بعد میں پوچھا یہ کیا حرکت تھی؟ تو آپ فرماتے ہیں

ع دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست

دست کا ترجمہ دیکھ لیا غنیمت ہے ورنہ دوست کے پاخانہ کا دست اٹھا کر لاتا(۱) ایسے ہی اجتہاد سے ان لوگوں نے دین کی گت بنائی ہے۔

آج کل کے مجتہدین

ایک دوسرے مجتہد صاحب نے فخراً بیان کیا کہ جس روز پرچے آئے تھے امتحان کے ہم نے تو نماز میں قصر کیا تھا کہ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ ''تم پر گناہ نہیں اگر تم نماز میں قصر کرو جب کہ تمہیں خوف ہو'' ہم کو جواب کے صحیح نہ لکھے جانے کا بڑا خوف تھا اس لئے ہم نے قصر کیا۔ ایک دوست وہاں موجود تھے انہوں نے پوچھا کہ کیوں صاحب جو معاہدہ مشروط ہو دو شرطوں کے ساتھ وہ کیا ایک شرط کے تحقق سے مکمل ہو جاتا ہے؟(۲) انہوں نے کہا نہیں انہوں نے کہا کہ آپ نے قرآن کی آیت پوری نہیں پڑھی لَيْسَ عَلَيْكُمْ سے پہلے اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ بھی ہے کہ جب تم زمین میں سفر کرو۔ خیر خوف تھا مگر آپ نے سفر کون سا کیا تھا۔ بس ہو چکا اجتہاد آپ نے نماز کھوئی اس کی قضا کیجئے۔ تھے بھلے مانس اقرار غلطی کا کیا تو یہ حالت ہے مجتہدوں کی۔ ایک صاحب نے کہہ دیا کہ سود حرام ہی نہیں اور لَا تَأْكُلُوا الرِّبٰوا میں یہ لفظ ربٰو بکسر را نہیں ہے بلکہ ربا بضم را ہے جس کے معنی لوٹ مار کرنے اور اچانک لینے کے ہیں۔

(۱) شکر ہے کہ یہی سمجھے ورنہ اگر دست کا ترجمہ پاخانے سے کرتے تو دوست کا پاخانہ ہی اٹھا کر لاتے

(۲) جس معاہدے میں دو شرطیں ہوں کیا ایک شرط پائے جانے پر معاہدہ پورا ہوگا؟۔

پس جو مال لوٹ کرلیا جائے گا وہ حرام ہوگا ان مجتہد صاحب کو بھی خبر نہیں کہ کہاں ربا جور بودن فارسی سے مشتق ہے اور کہاں عربی قرآن اگر ایسے ہی مجتہدین ہوں گے تو پھر دین کا خدا حافظ۔

گر بہ میروسگ وزیروموش را دیواں کنند
ایں چنیں ارکان دولت ملک راویراں کنند

''یعنی اگر نااہلوں کے ہاتھ میں حکومت آجائے تو ملک ویران ہوجاتے''

دین کا محافظ اللہ ہے

اگر ان کے قبضہ میں اسلام ہوتا تو خدا جانے یہ کیا گت بناتے مگر وہاں تو ارشاد ہے: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ﴾ ''ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں''

خدا تعالیٰ نے خود حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور واقعی عجیب طرح حفاظت فرمائی ہے کہ ایسے بے سروسامانی کی حالت میں علماء تیار ہوتے ہیں کہ آج کوئی چیز علم دین کی طرف رغبت دلانے والی نہیں ہے۔ یہ ادھر ہی کی حفاظت ہے کہ باوجود اس ناقدری کے پھر بھی اللہ کے نیک بندے اس طرف متوجہ ہوتے ہیں پس جب وہ خود محافظ ہیں تو پھر بھلا کون دین کو مٹا سکتا ہے۔

چراغے را کہ ایزد برفروزد ہر آنکس تف زند ریشش بسوزد

''جس چراغ کو حق تعالیٰ روشن کریں جو شخص اس پر پھونک مار دے اس کی ڈاڑھی جل جائے''

اگر کوئی کہے کہ ہمارے پاس ریش ہی نہیں تو ہم اس کے لئے کہیں گے۔ ہر آنکس تف زند ریش بسوزد (جو اس پر پھونک مارے اس کا چہرہ جھلس جائے) یہ خرابیاں ہیں اپنے کو دین میں بڑا سمجھنے کی۔

مجتہدین جدید کا عجیب اجتہاد

اور کسی اخبار میں چھپا تھا کہ زمانہ مقتضی ہے کہ مذہب سب روئے زمین کے لوگوں کا ایک ہو۔ یہ مختلف فرقے آریہ، عیسائی، شیعہ، سنی کچھ نہ رہیں پھر وہ کونسا مذہب ہو سو اگر مذاہب موجودہ میں سے کوئی مذہب تجویز کیا جائے تب تو ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے اس لئے نہ تو سب مسلمان ہو سکتے ہیں، نہ ہندو، نہ عیسائی کیونکہ اس میں تو پھر وہی اختلاف ہوگا پس اس کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ تھوڑی تھوڑی رعایت تمام مذاہب کی رکھو اس طرح سے کہ اصل مذہب تو توحید کو قرار دو اور باقی سب مذاہب کے اجزاء کو فروغ قرار دے کر ہر ایک کو اس کی حالت پر رہنے دو اور کسی سے تعرض نہ کرو اگر ایسا ہو جائے تو اچھا ہے بس پھر سب مل جل کر رہو یہ رائیں ہیں۔

میں کہتا ہوں گورنمنٹ کے قوانین میں کیوں دست اندازی نہیں کرتے۔ بس یہ اللہ میاں ہی کا قانون ہے تختہ مشق بنانے کے لئے اور یہ تو ان کی حالت ہے جو بد دین ہیں اور جو دیندار ہیں ان میں بعضوں کو یہ خبط ہو گیا کہ دو چار کتابوں کے ترجمے دیکھ لئے مجتہد ہو گئے تصوف کے رسالے دیکھ لئے اور شیخ کامل بن گئے۔ طب احسانی دیکھ لی مطب کرنے لگے، طبیب حاذق بن گئے۔ اب شیخ کی کلیات بھی لغویات اور واہیات ہو گئیں مسہل کا ایک نسخہ یاد کر لیا چاہے جس خلط کا غلبہ ہو وہی ایک نسخہ دے دیا مریض چاہے مرے چاہے جئے۔

جدید مجتہدین کا علاج

جیسے ایک سیاح کا قصہ سنا ہے کہ اس نے ایک میم کو دوا دی تھی۔ پولیس کمشنر بمبئی کی میم تھی آدھے سر کے درد کی شکایت تھی کس طرح اچھا نہ ہوتا تھا ان سیاح صاحب نے انعام کے لالچ میں اُسے اپنے پاس سے بوٹی دی خدا کی شان کہ وہ اچھی ہو گئی اب یہ گئے انعام مانگنے اس نے پوچھا کہ یہ کیا بوٹی تھی جو تم نے دے دی تھی اس

کی کیا خاصیت ہے اور کیا مزاج ہے اور اسکا کیا کیا نفع ہے اور اگر نقصان کرے تو کیا تدارک ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ تو مجھے معلوم نہیں اس نے کہا ایسی نامعلوم چیز سے تم نے ہمارا علاج کیوں کیا۔ اگر ہم مرجاتے یا ہمارا مرض بڑھ جاتا تو کیا ہوتا اس کا چالان کرادیا مقدمہ چلا اور وہ جیل خانہ گیا۔ بس ایسے مجتہدوں کو بھی اگر ایسی سزا ملا کرے تو آنکھیں کھل جائیں۔ مولویوں کے قال یقال سے یہ باز نہیں رہ سکتے اگر مولوی کہیں بھی تو گالیاں کھائیں غرض اس بڑائی کی بدولت ان اجتہادات کی نوبت پہنچی اور ان اجتہادات کی بدولت ان لوگوں نے اسلام کی حقیقت سمجھنے میں غلطی کی بعض جو مدعی اجتہاد بھی نہیں انہوں نے اسلام کے احکام وضوابط اور ان کا اغراض ورسوم کے ساتھ مزاحم ہونا دیکھ کر اس کی حقیقت کا عجیب خلاصہ نکالا چنانچہ ایک شخص مجھ سے کہتے تھے کہ اسلام کی تعلیم کا یہ خلاصہ ہے کہ نہ خوشی میں ہنسو نہ رنج میں روؤ تو یہ معنی اسلام کے سمجھے اور ان کو اسلام بڑا سخت اور خونخوار نظر آئے گا۔

حقیقت اسلام

غرض افسوس اسلام کو ان میں سے کسی نے بھی نہ سمجھا سو سمجھ لو کہ اسلام تعلق مع اللہ کا نام ہے اور مَنْ اَسْلَمَ (جس نے سپرد کیا) سے یہی مقصود ہے اس حقیقت پر اگر مفصل نظر کرو تو اب معلوم ہوگا کہ اسلام کیسی حسین چیز ہے اسلام وہ چیز ہے کہ

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

''سر سے پیر تک جس جگہ نظر کرتا ہوں کرشمہ دامن دل کو کھینچتا ہے کہ یہی جگہ محبوبیت کی ہے''

خدا کی قسم جس پہلو سے لو، نہایت راحت بخش اور مصالح کی رعایت کرنے والا مذہب ہے میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں اس کی تعریف کرسکوں۔

قلم بشکن سیاہی ریز و کاغذ سوز و دم درکش حسن ایں قصہ عشق است در دفتر نمی گنجد

''قلم توڑ سیاہی کو پھینک کاغذ کو جلا اور خاموش رہ اے حسن یہ عشق کا قصہ ہے دفتر میں نہیں سما سکتا''

کسی محقق کے پاس چند روز رہ لو اس وقت آنکھیں کھلیں کہ اسلام کیا چیز ہے؟ اسلام وہ مذہب ہے جس نے ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں تک کی تعلیم دی ہے کہ جب تین آدمی کسی مجلس میں بیٹھے ہوں تو دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں کہ تیسرے کی دل شکنی ہوگی وہ سمجھے گا کہ بس مجھ سے مخفی رکھتا ہے ہاں جب چار ہو جائیں تو کچھ حرج نہیں کہ وہ دونوں بھی سرگوشی کر سکتے ہیں اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ شاید دوسرے سے مخفی رکھتا ہو اور لیجے حضور ﷺ کے پاس ایک صحابی حاضر ہوئے آواز دی آپ نے پوچھا مَنْ کون ہے انہوں کہا اَنَا میں ہوں آپ نے فرمایا اَنَا اَنَا میں میں یہ بھی کوئی جواب ہوا۔ کتنی معقول بات فرمائی پہلی آواز سے آپ نے نہیں پہچانا۔ اس لئے پوچھا کہ کون ہے اس کے جواب میں میں ہوں کہنا غلطی ہے اس واسطے کہ اس سے مزید پتہ نہ معلوم ہوا جو آواز پہلے معلوم ہوئی تھی وہی اب بھی معلوم ہوئی اگر آواز سے پہچانتے تو پہلے ہی پہچان لیتے اور یہاں تک تعلیم فرمائی کہ قانون بتلا دیا جب کسی کے گھر جاؤ تو پہلے دروازہ پر اجازت لے لو کہ السلام علیکم فلاں حاضر ہوا اگر جواب نہ آوے پھر اجازت مانگو پھر کہو تیسری بار اجازت مانگو تین دفعہ کے بعد بھی اگر کوئی نہ آوے نہ جواب دے تو لوٹ جاؤ شکایت مت کرو برا مت مانو کتنی اچھی تعلیم فرمائی ہے باب اخلاق کا خلاصہ یہ ہے۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے رابا کسے کارے نباشد

''وہ جگہ بہشت ہے جہاں کوئی تکلیف نہ ہو کسی کو کسی سے تنگی نہ ہو''

مصرعہ ثانی کا یہ مطلب نہیں کہ ایک کو دوسرے سے ہمدری نہ ہو بلکہ مقصود یہ ہے کہ ایک کو دوسرے سے ایذا نہ ہو۔ اسباب ایذا کو نہایت اہتمام سے رفع کیا گیا ہے اس کا نہایت اہتمام کیا ہے کہ کسی کو کسی سے تنگی نہ ہوا۔

مشورہ کا درجہ

اور خود حضور ﷺ نے عمل کر کے بھی دکھلا دیا حالانکہ آپ پر کسی کو جان تصدق کرنے میں بھی دریغ نہ تھا مگر پھر بھی آپ نے معاملات میں خدّام کو کس قدر آزاد رکھا تھا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا پہلے ایک باندی تھیں حالت رق (۱) میں ان کا نکاح کر دیا گیا تھا اس کے بعد یہ آزاد کی گئیں تو قانون شرعی یہ ہے کہ جو کوئی باندی آزاد ہو جائے تو اسے اپنے شوہر کے ساتھ رہنے نہ رہنے میں اختیار ہوتا ہے تو بریرہ رضی اللہ عنہا نے آزاد ہوتے ہی ان شوہر کے ساتھ رہنے سے انکار کر دیا ان کے شوہر انہیں بہت چاہتے تھے انہیں ان کی جدائی ناگوار ہوئی بیچارے روتے پھرتے تھے۔

حضور ﷺ نے ان کی حالت جب خراب دیکھی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم مغیث کے ساتھ نکاح کر لو تو اچھا ہے حضرت بریرہؓ سوال کرتی ہیں کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ حکم ہے یا سفارش؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سفارش ہے تو بریرہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نہیں قبول کرتی آپ خاموش ہوئے ناخوش نہیں ہوئے۔

ذرا بڑے لوگ غور سے دیکھیں کہ سفارش کا کیا درجہ ہے آج کسی پیر صاحب کسی مولوی صاحب سے بریرہ رضی اللہ عنہا کی یہی گفتگو کر کے دیکھ لیجئے کتنا ناخوش ہوں گے افسوس کیا حضور ﷺ سے بھی بڑھ گئے کہاں کی مولویت کہاں کی پیری؟

آزادی کے غلط معنی

اب تو ہر امر میں اپنا اثر ڈال کر دوسرے کو مجبور کرنا چاہتے ہیں ہم نے ریل میں ایک مدعی آزادی کو دیکھا کہ گھسی ہوئی دونی قلی کو دی اس نے کہا کہ بدل دیجئے انکار کر دیا اس نے کہا کہ یہ نہیں چلے گی کہا کہ چلا دینا اس نے کہا کیوں

(۱) غلامی کے زمانے میں ان کا نکاح ہو گیا تھا۔

کر چلادوں کہا جس طرح ہم نے چلادی ہے۔ ارے تم تو ظالم تھے اس واسطے تم نے چلالی وہ غریب تمہاری طرح کیسے چلاسکتا ہے، وہ بیچارہ روتا ہوا چلا گیا۔ یہ کیا تعلیم ہے کیا تہذیب ہے تم معاشرت میں جن کی حرص کرتے ہو وہ تو ایسا نہیں کرتے کہ خواہ مخواہ کسی غریب پر اس طرح کا ظلم کریں۔ کیا یہی معنی ہیں آزادی کے کہ ہم پر تو کسی کا بوجھ نہ پڑے اصل آزادی وہی ہے جو اسلام نے تعلیم فرمائی ہے جس کا خلاصہ ہے۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد

''بہشت وہ جگہ جہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں''

اسلام میں آزادی

ان واقعات سے بڑھ کر ایک اور قصہ مسلم شریف میں ہے کہ ایک صحابی نے شور با پکایا تھا حضور ﷺ کی دعوت کی آپ نے فرمایا کہ بھئی عائشہ رضی اللہ عنہا بھی چلیں گی انہوں نے کہا نہیں فقط آپ۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر میں بھی نہیں چلتا انہوں نے کہا نہ سہی وہ چلے گئے دوبارہ پھر آئے پھر یہی گفتگو ہوئی پھر چلے گئے۔ تیسری مرتبہ میں انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی دعوت منظور کی، سبحان اللہ کیا آزادی ہے کیسا بے تکلف کہہ دیا کہ نہ سہی اور جب وہ اس قدر آزاد تھے تو بعد میں جو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دعوت بھی کردی تھی تو وہ اس وقت ان کی رائے بدل گئی تھی جبر کی کوئی بات نہ تھی اللہ اکبر۔ یہ ہے آزادی کوئی ایسا کر کے تو دکھلا دے۔ ہمارے استاد زادہ ہیں حکیم معین الدین صاحب ان کے یہاں مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اس روز ان کے گھر میں سناٹا تھا عرض کیا میرے یہاں تو آج کچھ ہے نہیں اگر آپ فرمائیں تو کسی اور کو دعوت کی ترغیب دو۔ مولانا نے فرمایا کہ میں تمہارا مہمان ہوں۔ تمہارے گھر فاقہ ہے تو میں بھی فاقہ کروں گا یہ ہیں متبع سنت وہ تھوڑا ہی کہ دو چار اختلافی مسئلوں میں شور کر دیا بس متبع سنت ہو گئے

مولانا کی برکت سے شام کے وقت ایک شخص آیا حکیم صاحب کو کچھ روپے نذر دے گیا اب کیا تھا مولانا نے فرمایا بکھیڑا نہ کرنا حکیم صاحب نے عرض کیا واہ فاقہ کے بعد بھی بکھیڑا نہ ہو۔ تکلف سے کھانا تیار کرایا۔ حضرت! کیا بے آزار زندگی ہے گاڑھے کہ کپڑے ہیں اس میں بھی راضی ہیں دوشالہ ہے تو اس میں بھی خوش ہیں اور اصلی آزادی تو اہل اللہ میں ہے مگر دنیاداروں میں بھی پرانی وضع میں بہ نسبت نئی وضع کے پھر کسی قدر آزادی ہے جو جی چاہے پہن لیجئے آج کل اگر کوٹ پہنیں تو لنگی فیشن کے خلاف، لنگی باندھیں تو کوٹ فیشن کے بالکل خلاف، بخلاف پرانی وضع کے کہ لنگے زیر و لنگے بالا (ایک تہ بند اوپر اور ایک نیچے) سب کھپتا ہے پس آزادی تو یہ ہے اور وہ تو جکڑ بندی ہے خدا جانے اس کا نام آزادی کس نے رکھا ہے جب فیشن ہے تو آزادی کہاں وہ تو اچھی خاصی قید ہے۔

خود بینی وخودرائی

غرض اسلام کی حقیقت اور اس کی تعلیمات کو دیکھئے تو پھر اس کا حسن و جمال معلوم ہو اور جو لوگ اس سے کورے ہیں انہوں نے حقیقت ہی نہیں سمجھی سو اسلام کے معنی ہیں اپنے کو خدا کے سپرد کر دینا اور جب سپردگی ٹھیری تو ایک ذرہ برابر جز میں بھی اگر خودرائی ہوگی تو سپردگی کہاں رہے گی۔ اب بالکل سمجھ میں آجائے گا کہ پاجامہ ٹخنوں سے نیچے پہننا اسلام کے خلاف کیوں ہے اور ڈاڑھی کٹانا یا منڈانا اسلام کے خلاف کیوں ہے نہ پاجامہ کرتا ٹوپی کی خاص اوضاع اسلام کے خلاف کیوں ہے؟۔

اور اس سپردگی کی ایک مثال ہے کہ کوئی مقدمہ ایک وکیل کے سپرد کر دیتے ہیں یا پنچ کے سپرد کر دیتے ہیں اس عارضی سپردگی کا یہ اثر ہے کہ پھر اس میں کوئی رائے نہیں دیتا۔ جو وہ کہے مانتا ہے جو وہ کرلے کرتا ہے اسی طرح خدا کے سپرد کرنے کے بعد بھی رائے زنی نہ کرنا چاہیے یہ ہے تفویض الی اللہ اسی کو عارف شیرازی کہتے ہیں۔

فکر خود ورائے خود در عالم رندی نیست کفرست دریں مذہب خود بینی وخودرائی

''عالم عاشقی میں اپنی فکر اور اپنی رائے بالکل بے کار ہے اس طریق میں خود بینی اور خودرائی کفر ہے''۔

اس زمانہ میں دونوں مرض مرض عام ہیں عام طور سے اسلامی مسائل میں رائے دیتے ہیں کہ ہمارے خیال میں یوں ہونا چاہیے ارے تم ہو کیا چیز؟ تمہاری ایسی ہی مثال ہے کہ ایک کاغذ کی مل، ہے اس میں سیکڑوں آدمی نوکر ہیں اس میں حوض بھی ہوتے ہیں اور حوض میں پانی بھی ہوتا ہے جدید تحقیقات سے یہ ثابت ہوا ہے کہ پانی کے ایک قطرہ میں لاکھوں کیڑے ہوتے ہیں جو خوردبین سے نظر آتے ہیں ان کیڑوں میں سے ایک کیڑا آپ سے یہ کہے کہ میری رائے میں آپ اس کلرک کے بجائے فلاں کلرک کو رکھ لیجئے آپ بہت ہنسیں گے کہ وہ کیڑا جو کہ پانی کے ایک قطرہ سے بھی لاکھوں حصہ چھوٹا ہے ہمیں رائے دیتا ہے اسے کیا خبر کہ کیا ہونا چاہیے جو اس کیڑے کی رائے آپ کے کاغذ کے کارخانہ میں وقعت رکھتی ہے۔ واللہ خدا کے کارخانہ میں آپ کی رائے کا بھی وہی درجہ ہے بلکہ اس سے بھی بدر جہا زیادہ ذلیل وخوار ہے واللہ بغاوت عظیمہ ہے کہ ہمارے خیال میں۔ ہمارا خیال ہی کیا چیز ہے شرم نہیں آتی کہ خدا کو رائے دیتے ہو۔ حالانکہ تم خدا کے مقابلہ میں اتنے بھی نہیں جتنا تمہارے مقابلہ میں وہ کیڑا ہے، کیونکہ کمالات باری غیر متناہی ہیں اور تم متناہی اور وہ کیڑا بھی مثل تمہارے متناہی۔ تو رائے ہماری کیا ہے؟

لطائف آیت

حاصل یہ کہ سپرد کردینے کے بعد پھر رائے نہیں دی جایا کرتی۔ جس طرح مقدمہ وکیل کے سپرد کردینے کے بعد کوئی رائے نہیں دیتا اسی کو فرماتے ہیں اَسْلَمُ

وَجُھَہٗ (جس نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کردیا) باقی ذات کو وَجۡہَ سے کیوں تعبیر کیا۔

سو وجہ کہتے ہیں منہ کو عموماً مفسرین تو یہ لکھا ہے کہ یہاں تَسۡمِیَۃُ الۡکُلِّ بِاسۡمِ الۡجُزۡ ہے یعنی جز بول کر کل مراد لیا ہے۔

اور وجہ تخصیص یہ کہ وجہ (۱) تمام اعضاء میں اشرف تھا جب اشرف کو سپرد کردیا تو کل کو سپرد کردیا مگر ایک اس سے زیادہ بات لطیف ہے وہ یہ کہ پہچان چہرہ سے ہوتی ہے تو گویا تشخص میں زیادہ دخل چہرہ کو ہے پس وجہ سے تعبیر کرنا ذوات مشخصہ (۲) کو نہایت برمحل ہے یہ تو پرانے طالب علموں کے کام کی بات تھی۔

ایک بات نو تعلیم یافتہ لوگوں کے کام کی بھی سمجھ میں آئی کہ آج کل جو رائے دی جاتی ہے اس کی قوت دماغ کے اندر ہے اور وجہ کو دماغ سے خاص تلبس ہے گویا دونوں متلازم ہیں۔ (۳) پس وجہ کو سپرد کرنا گویا دماغ کو سپرد کرنا ہے اور دماغ کے سپرد کرنے کے بعد جب دماغ ہی آپ کا نہ رہا تو رائے اور خیال آپ کا کہاں سے آیا تو یہ تعبیر مشیر ہے (۴) خود رائے کے قطع کردینے کی طرف۔

اگر کوئی کہے کہ کیا دماغ سے کام نہ لیں اسلام کے احکام تو سب دماغ ہی کے متعلق ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر مقدمہ کسی بیرسٹر کے سپرد کردو تو اگر وہ گواہوں کی شناخت کے واسطے کہے تو کیا اس کو یہ جواب دوگے کہ ہم نے تو آپ کے سپرد کردیا جس چیز کو سپرد کردیا ہے اس میں اپنی رائے کا دخل مت دو باقی جتنے میں وہ خود دخل دینے کو کہے اس میں دخل دو پس اسی طرح یہاں بھی دماغ سے اتنا کام لو جتنا حکم ہے۔

---

(۱) چہرہ (۲) ذات کو وجہ سے تعبیر کرنا بالکل درست ہے (۳) کیونکہ رائے کا اصل سرچشمہ دماغ ہے اور چہرہ کو دماغ کے ساتھ خاص تعلق ہے دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں (۴) یہ تعبیر خود بتارہی ہے کہ دین کے احکام کے مقابلے میں رائے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اور یہ تو جیہیں تو جب ہیں کہ وجہہ کو ظاہری وجہ (۱) پر رکھا جائے اور اگر وجہ کو وجہ باطن پر محمول کیا جائے تو یہاں پر وجہ کے معنی قلب کے ہوں گے جیسے (اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَنِیْ) ''میں اپنے قلب کو اس ذات کی طرف متوجہ کرتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا ہے'' میں کہا گیا ہے کہ یہاں وجہ سے مراد چہرہ نہیں ہے کیوں کہ اس کو خدا کی طرف کرنے کے کیا معنی؟ بلکہ یہاں مراد قلب ہے کہ میں نے پھیر دیا رخ قلب اپنا خدا کی طرف جس نے مجھے پیدا کیا تو یہ اَسْلَمَ وَجْہ کا بطن اور باطن تھا خلاصہ مجموعہ تو جیہیں کا یہ ہوا کہ اپنی ہر چیز کو خدا کے سپرد کر دیا۔ اب سمجھئے کہ کبھی سپرد کرنا غرض کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی خوف سے اور کبھی محبت سے محققین کا مذہب یہ ہے کہ اگر کسی نے غرض کی وجہ سے سپرد کیا کہ کام خوب نکلیں گے تو یہ شرک خفی ہے کہ کام بنانے کے لئے اطاعت کرتا ہے خدا کے لئے نہیں کرتا پس یہ تسلیم اس لئے کرو کہ اس کا حق ہے اس لئے وَھُوَ مُحْسِنٌ بھی فرمایا کہ سپرد کرنے میں اخلاص ہو اپنی کوئی غرض وابستہ نہ ہو۔ چنانچہ اسلام جب ہی مقبول ہے کہ اس میں ریاء نہ ہو کیونکہ یہ خلاف اخلاص ہے اس تفسیر کے بعد معلوم ہو گیا ہوگا کہ اسلام مطلوب کی یہی حقیقت ہے کہ خالصاً اللہ کے ہو جاؤ۔ آگے احسان کے متعلق بھی بہت مضمون تھا مگر اب وقت نہیں رہا انشاء اللہ پھر کسی موقعہ پر مستقلاً بیان کر دیا جائے گا۔

اجزاء آیت کی تفسیر

اس کے بعد اب وعدہ ہے کہ فَلَہٗ اَجْرُہٗ عِنْدَ رَبِّہٖ اس کے لئے اس کا اجر ہے اس کے پروردگار کے نزدیک فَلَہٗ اَجْرُہٗ پر کفایت نہیں کی بلکہ عِنْدَ رَبِّہٖ بھی بڑھایا اس میں بڑا راز ہے ایک تو کسی مزدور سے کہے کہ کام کرو ہم تمہیں کھانا کھلائیں گے اور ایک یہ کہ اپنے پاس بٹھا کر کھانا کھلائیں گے اور وہ مزدور عاشق بھی ہو تو کس قدر شوق

(۱) ظاہری صورت۔

سے کام کرے گا اور کھانے سے کس قدر مسرور ہوگا عِندَ رَبِّہٖ اس لئے بڑھایا ہے۔

ہر کجا یوسف رخے باشد چو ماہ　　جنت ست آں گرچہ باشد قعر چاہ
ہر کجا دلبر بود خرم نشیں　　فوق گردوں است نے قعر زمیں

''جہاں محبوب ہو وہ جگہ جنت ہے اگر چہ کنواں ہی کیوں نہ ہو جس جگہ محبوب ہو خوش وخرم بیٹھ وہ جگہ مرتبہ میں آسمان سے بلند تر ہے نہ پست زمین''

سبحان اللہ کیا قرآن کی بلاغت ہے بس یہ شعر صادق آتا ہے۔

بہار عالم حسنش دل وجاں تازہ میدارد　　برنگ اصحاب صورت رابوار باب معنی را

''اس کی عالم حسن کی بہار ظاہر پرستوں کے دل وجان کو رنگ سے اور حقیقت پرستوں کے دل وجان کو بو سے تازہ رکھتی ہے''

یعنی دو مذاق کے لوگ ہیں ایک تو روٹ کھولے، جیسے ہم ہیں ان کو فَلَـہٗ اَجۡـرُہٗ سے خوش کر دیا کہ گھبراؤ نہیں روٹیاں مل جائیں گے۔ ایک وہ ہیں جو دیدار کے مشتاق ہیں ان کے واسطے عِندَ رَبِّہٖ فرمایا کہ دعوت ہوگی اور ہمارے پاس ہوگی اور یہ سب انعام ہوا انعام کا کمال یہ ہے کہ منفعت عطا ہو اور مضرت سے بچایا جاوے منفعت کا ذکر تو ہو چکا۔ آگے مضرت سے بچانے کا وعدہ ہے کہ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡھِمۡ ان پر کوئی خوف نہیں، کوئی قید نہیں لگائی کہ کہاں خوف نہیں گو بعض جگہ سے آخرت کی قید معلوم ہوتی ہے کہ آخرت میں کوئی خوف نہیں لیکن یہاں کا اطلاق اگر بحالہ رکھا جاوے تو دنیا وآخرت دونوں کو عام رہے گا رہا یہ کہ دوسری آیات میں یَخَافُوۡنَ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کو خوف ہے سو محققین نے جواب دیا ہے کہ لا خوف بھم یا لھم فرمایا ولا ھم یحزنون نہیں فرمایا یعنی ان پر خوف کی چیز واقع نہ ہوگی گو وہ خود خوف کیا کریں اس کے بعد ارشاد ہے ولا ھم یحزنون اور نہ وہ غمگین ہوں گے خوف آئندہ کا اندیشہ ہے اور حزن واقعہ ماضیہ کے متعلق ہوتا ہے۔

تو حاصل یہ ہوا کہ نہ تو مستقبل میں کسی مضرت کا احتمال ہے نہ کسی ماضی کی فوت سے ان پر حزن ہے کہ ہائے یہ نہ ہوا، ہائے وہ نہ ہوا نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ خلاصہ یہ کہ ہر قسم کی مضرتوں سے محفوظ ہوں گے، یہ اسلام پر انعام ہوا۔

خلاصہ وعظ

اے صاحبو! اس تقریر سے اسلام کی حقیقت یا بلفظ دیگر تعلق مع اللہ کے برکات ظاہر ہوگئے پھر کوئی وجہ نہیں کہ آپ اسے نہ اختیار کریں یہ بہت بڑی ذلت ہے یا تو مجھے کوئی دولت اس کے مقابلہ میں ایسی بتادیجئے جو اس سے بڑھ کر ہو، تا کہ میں بھی آئندہ اسی کی ترغیب دیا کروں اور اگر ایسی کوئی دولت نہیں تو آپ بھی اس کے حاصل کرنے کی کوشش کیجئے ورنہ حجت تمام ہوچکی اب آپ کے پاس قیامت میں کوئی جواب نہیں ہے اب حق تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں توفیق عمل کی عطا فرمائے۔ آمین فقط۔ (۱)

---

(۱) اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائیں امین۔

خلیل احمد تھانوی